سہ ماہی

مجلہ

رشد و ہدایت

۳ ۴

اپریل تا ستمبر ۲۰۱۷ء

مدیر تحریر

مولانا ضیاء الحق خیرآبادی



مدیر مسئول

مولانا عبدالعظیم قاسمی

مرکز اشاعت

مدرسہ تحفیظ القرآن

سکٹھی، مبارکپور، ضلع اعظم گڑھ (یوپی) 276404

Email: zeyaulhaquekbd@gmail.com





MADRASA TAHFIZUL-QURAN

Sikthi, Mubarakpur, Aazamgarh (U.P.) 276404

Email: zeyaulhaquekbd@gmail.com

مدرسہ تحفیظ القرآن سکٹھی مبارکپور کا دینی وعلمی واصلاحی ترجمان

سہ ماہی
مجلّہ رُشد وہدایت

جلد نمبر:۲ | رجب تا ذی الحجہ ۱۴۳۸ھ (اپریل تا ستمبر ۲۰۱۷ء) | شمارہ نمبر:۳/۴

مرکزِ اشاعت: **مدرسہ تحفیظ القرآن**

سکٹھی، شاہ محمد پور، پوسٹ مبارکپور، ضلع اعظم گڈھ (یوپی) 276404

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

اپنی بات	مولانا ضیاء الدین صاحب قاسمی ندوی	۳
آغاز سخن	مدیر تحریر	۵
مدارس پر گرم نگاہیں ـ ـ ـ	حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ	۱۰
معاملات و معاشرت	حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ	۱۸
مسجد میں باتیں نہ کرنا	حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب	۲۳
قرآن کریم کے خلاف جنگ	مولانا وزیر احمد صاحب ندوی	۲۱
قصۂ درد سناتے ہیں کہ ـ ـ ـ	مولانا ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی	۴۰
بلند اخلاق، علامتِ ایمان	مولانا حافظ سید عزیز الرحمٰن صاحب	۵۶
تجارت کے شعبوں میں دین کے احیا کا طریقہ	مولانا محمد سہیل صاحب	۶۰
اسلامی تقویم	مولانا عبد اللہ خالد صاحب	۶۹
دار العلوم تحفیظ القرآن	مولانا عبد العظیم صاحب	۷۳
مولانا نوشاد احمد صاحب اعظمیؒ	مولانا ضیاء الحق خیر آبادی	۷۸
عزیزی حماد ضیاء مرحوم	مولانا ضیاء الحق خیر آبادی	۸۳

زرِ تعاون

سالانہ: 100/=

فی شمارہ: 25/=

خصوصی: 1000/=

اس شمارے کی قیمت 50/=

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں ہے

افتتاحیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اپنی بات

مولانا ضیاء الدین صاحب قاسمی ندوی

﴿لا تَلُوْمُوْنِیْ وَلُوْمُوْا اَنْفُسَکُمْ﴾ (سورۂ ابراہیم: ۲۲)

قرآن کریم کی اس مختصر سی آیت میں ہر صاحب ایمان کو لرزا دینے والی بات ہے، جو اپنے معاصی اور اپنے مسائل کا ذمہ دار دوسروں کو مان کر اپنی طرف سے تاویل پیش کرتے ہیں۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کہ دوسرے کو معاصی وسیئات اور نافرمانیوں کی راہ پر ڈالنے کا سبب بنتے ہیں؛ لیکن ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے فہم وفراست کی صفت سے بھی نوازا ہے، اس کے سامنے وہ تمام وسائل و ذرائع بھی ہیں کہ اچھے برے اعمال وافراد میں تمیز کر سکے، پھر بھی حق کی راہ اختیار نہ کرے اور اپنے دشمن دوست میں تمیز نہ کر سکے تو اس کا گناہ اس کے سر ہوگا۔

ابلیس جہنم میں ان گناہ گار مسلمانوں سے کہے گا جو اپنی ہلاکت وبربادی اور عذاب الٰہی سے دوچار ہونے کا الزام شیطان کو دیں گے کہ تمہاری ہی وجہ سے ہم کو یہ انجام دیکھنا پڑا، نہ تم بہکاتے، نہ ہم تمہارے دھوکے میں آتے، نہ اس مصیبت سے دوچار ہوتے، تب وہ کہے گا: دیکھو مجھے الزام مت دو، بلکہ اپنے آپ کو کوسو اور برا بھلا کہو، میں نے تو وہی کیا ہے جو مجھ کو کرنا تھا، اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی تم کو میرے بارے میں بتا دیا تھا اور بار بار تاکید کی تھی کہ شیطان تمہارا دشمن ہے، اس سے بچ کر رہنا، پھر بھی تم لوگ مجھ پر اعتماد کرتے رہے؛ کیوں کہ تم کو دنیا کی چمک دمک اور نفس پرستی میں مزا آرہا تھا، اب بھگتو اپنے کئے کا انجام۔

﴿لا تَلُوْمُوْنِیْ وَلُوْمُوْا اَنْفُسَکُمْ﴾ کا استحضار ہم کو ہر جگہ ہونا چاہئے، وہ کون سی خطرناک اور ہلاکت انگیز بات ہے، یا کون سی راہ اور افراد ہیں جن کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے پہلے سے نہیں بتا دیا ہے۔ قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ تمہارے شدید ترین دشمن یہود ومشرکین اور نصاریٰ ہیں۔ اور یہ بھی فرما دیا ہے کہ اہل کتاب یا مشرکین کو اپنا دلی دوست وہمدرد ہرگز مت سمجھنا، وہ کوئی بھی موقع تمہارے بگاڑ وفساد کا نہیں چھوڑیں گے، ان کے

وعدوں اور تسلیوں میں بھی تمہاری بربادی کا زہر ملا ہوگا، تم سے اپنے مفاد کی حد تک رواداری کریں گے، لیکن تم کو ضرر پہنچانے سے ہرگز باز نہیں آئیں گے۔ قرآن مجید نے یہ بھی بتایا ہے کہ یہود ونصاریٰ (یورپ وامریکہ واسرائیل) اسی صورت میں تم سے خوش ہوں گے جب تم پوری طرح ان کے طریقوں پر چلنے لگو گے۔ ﴿وَلَنْ تَرْضَى عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَى حَتَّى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ﴾ (سورہ بقرہ:۱۲۰)

لہٰذا ذبیحہ پر پابندی ہو یا طلاق ثلاثہ اور یکساں سول کوڈ کا مسئلہ ہو، یا اذان پر اعتراض ہو، یا دہشت گردی وانتہا پسندی اور گھر واپسی جیسے معاملات ہوں، سب کا رشتہ اسی فطری عداوت سے ملا ہے، اسی طرح امریکہ میں مسلمانوں کے داخلے پر پابندی ہو، فرانس میں حجاب ونقاب پر پابندی ہو، یا بہت سے ملکوں میں حلال فوڈ کے خلاف آوازیں بلند ہونے کی باتیں ہوں، ان سب کا تعلق نہ انتظام حکومت سے ہے، نہ اخلاقیات وروایات سے اور نہ ہی حقوق انسانی سے متعلق ہے، ورنہ ایک ہی حرکت جب کوئی یورپی یا ہندو کرتا ہے تو وہ دیش بھگتی بن جاتی ہے اور جب کوئی مسلمان کرتا ہے تو دہشت گردی کہلاتی ہے، ایک کمیونٹی جو گوشت نہیں کھاتی، اس کے تہوار پر جبریہ دکانیں بند کرادی جاتی ہیں، حکومت خاموش رہتی ہے، اگر کسی مسلم تہوار پر قربانی واجب ہے تو اس پر اعتراض ہوتا ہے، کسی مندر سے رات بھر بھجن ہری کرتن ہوتا رہے تو مذہب پر عمل ہورہا ہے اور کسی مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے اذان دی جارہی ہے تو فضا میں صوتی آلودگی اور دوسروں کو اذیت کا حوالہ دیا جاتا ہے۔

جب یہ حقائق ہمارے سامنے ہیں اور قرآن وحدیث میں ہمارے کھلے چھپے دشمنوں کی پوری تفصیل موجود ہے، اس کے بعد بھی مسلمان ان ہی پر انحصار واعتماد اور ان ہی سے تعلقات وروابط کا جنون پالے رہیں اور نقصان در نقصان سے دوچار ہوتے رہیں، پھر بھی انھیں کو الزام دیتے رہیں تو وہ کہہ سکتے ہیں: ﴿لَا تَلُومُونِي وَلُومُوا أَنْفُسَكُمْ﴾ اسلام نے انسانی بنیادوں پر کسی غیر مسلم سے ربط رکھنے اور اس کے ساتھ حسن سلوک کا درس بھی تاکید سے دیا ہے، لیکن دین وعقیدہ کو برکنار کرنے کی حد تک نہیں، ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اپنے پڑوسیوں کے ساتھ، اپنے سماج کے لوگوں کے ساتھ حسن معاملہ کرنے، اخلاق ورواداری سے پیش آنے، مذہب وعقیدہ اور قوم وبرادری کی بنیاد پر کسی سے ناانصافی اور بداخلاقی روا نہیں ہے۔ ﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى﴾ (سورہ مائدہ:۸) کسی قوم کی عداوت تم کو اس سے ناانصافی پر آمادہ نہ کرے، تم ان سے انصاف کرو، یہی تقویٰ کے قریب تر ہے۔ (بقیہ صفحہ ۷۷ پر)

اداریہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آغاز سخن

از:۔ مدیر تحریر

اسلامی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ مسلمانوں پر مصائب وآلام اور ابتلاء وآزمائش کے لمحات کا آنا کوئی نئی بات نہیں ہے، عصر حاضر کے مسلمان ہوں یا گزشتہ دور کے، وقتاً فوقتاً اس طرح کے حالات سے دوچار ہوتے رہے ہیں، اور یہ سب ایک قدرتی نظام کے تحت ہوتا ہے، حالات میں اتار چڑھاؤ اور نشیب وفراز آتے رہتے ہیں، لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جس طرح مسلمانوں کی عظمت وشوکت، رفعت وبلندی، امن وسلامتی اور خوشحالی وشادکامی کے اسباب وعوامل ہیں اسی طرح ان کی ذلت ورسوائی، پس ماندگی وزبوں حالی اور کم سوادی وحرماں نصیبی کے بھی اسباب اور وجوہات ہیں، اور جس عہد میں اور جس دور میں بھی مثبت یا منفی اعتبار سے یہ اسباب پیدا ہوں گے، ان کے اثرات بہرحال ظاہر ہوں گے۔ دونوں صورت میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمانا مقصود ہے کہ آیا وہ ہمارے ساتھ تعلق ومحبت میں صادق ہے یا صرف گفتار کا غازی ہے۔

ایک مسلمان کے ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ خوشی مسرت کے لمحات اور آسائش وراحت کے ایام میں بھی خدا کو نہ بھولے اور اپنے اعمال کا جائزہ لیتا رہے تعلق مع اللہ کے رشتے کو پختہ سے پختہ تر بناتا رہے، اور جب اس پر مصائب ومشکلات اور حوادث وآفات کی گھٹائیں چھانے لگیں اس وقت بھی وہ اپنا محاسبہ کرے اور اپنی مصیبت وپریشانی کا الزام دوسروں پر ڈالنے سے پہلے وہ ضرور غور کرے کہ آخر وہ کون سے اسباب وعوامل اور کوتاہیاں ہیں جن کی وجہ سے دشمنوں کو ہم پر بے خطر ٹوٹ پڑنے کا حوصلہ پیدا ہوا، ہم اپنی مشکلات کے خارجی اسباب کو تو فوراً تلاش کر لیتے ہیں اور چند الفاظ کہہ کر، کچھ نعرے لگا کر اور وقت کے حکمرانوں کو برا بھلا کر ہم سمجھتے ہیں کہ ہم نے حق ادا کر دیا، لیکن ہماری نظر داخلی اسباب پر نہیں جاتی کہ ہمارے اندر کیا کمی ہے جس کی وجہ سے یہ حالات پیدا ہو رہے ہیں، پانی اگر اندر

سے مر رہا ہے تو باہر سے لاکھ بند لگائیں کبھی بھی اس سیلاب پر قابو نہیں پایا جا سکتا ہے، اپنی اصلاح ایک جگر کاوی کا عمل ہے، اس لئے ہم سے دور بھاگتے ہیں، حالانکہ زندہ قومیں سب سے پہلے اپنا احتساب کرتی ہیں اور اپنی کمزوریوں کو دور کرتی ہیں، اور مردہ وزوال پذیر قوموں کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ جب ان کو ان کی کسی کمزوری پر باخبر کیا جائے وہ چراغ پا ہو جاتی ہیں۔ آج ہماری صورتحال کا جائزہ لیجئے، ہم انفرادی طور پر نہیں اجتماعی طور پر اور بحیثیت قوم مسلم کے اپنی ہر مشکل کا الزام دوسروں پر ڈالنے کے عادی ہیں، بار بار دھوکا کھانے کے باوجود اپنی پریشانیوں اور دشواریوں کا حل انھیں سے چاہتے ہیں اور انھیں اغیار کے در پر کاسۂ گدائی لے کر جاتے ہیں جن کی نفرت وعداوت کا برملا اظہار قرآن کریم کر رہا ہے، یہ ذہنیت عوام الناس سے لے کر حکمراں طبقہ سب میں مشترک ہے۔ جبکہ گذشتہ صدیوں کے عام مسلمانوں اور علماء حق کے اندر اتنی جرأت وہمت ضرور تھی کہ وہ اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں کا اعتراف کرنے میں تاویل وتوجیہ نہیں کرتے تھے۔

میں دو واقعات پیش کرتا ہوں جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے ہماری بدحالی کے اصل اسباب وعوامل کیا ہیں:

> ''ساتویں صدی ہجری (تیرہویں صدی عیسوی) کا دور مسلمانوں کے لئے سخت ابتلاء وآزمائش کا زمانہ ثابت ہوا، منگول سردار چنگیز خاں اپنے ٹڈی دل لشکر کے ساتھ سمرقند وبخارا کی اسلامی خوارزم شاہی سلطنت کو تاراج کرنے کے لئے آندھی طوفان کی طرح اٹھا، اور معمولی مزاحمت کے بعد اس نے پوری سلطنت پر قبضہ کر لیا، قتل وغارت گری کا وہ بازار گرم کیا کہ الامان والحفیظ۔ بقول علامہ الجوینی چنگیز خاں نے نیشاپور وسمرقند کو برباد کرنے کے بعد جامع الکبیر میں شباب وکباب اور رقص وسرود کے ساتھ جشن فتح منایا، تیسرے روز اس نے عیدگاہ میں بخارا کے عمائدین واشراف کو جمع کیا اور کہا: ''تمہارا گناہ بہت بڑا ہے، میں اس کے محاسبہ کے لئے مامور کیا گیا ہوں۔ میں عذاب الٰہی ہوں، اگر تم نے کوئی بڑا گناہ نہ کیا ہوتا تو اللہ مجھ کو عذاب بنا کر نہ بھیجتا۔ (اسلامی انسائیکلوپیڈیا جلد اول)

اس کے کچھ ہی عرصہ کے جب بغداد میں مسلکی تنازعات اور شیعہ سنی اختلافات اپنے عروج پر تھے، شیعی وزیر علقمی کی دعوت پر چنگیز خاں کے پوتے ہلاکو خاں نے بغداد پر حملہ کیا اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، اور کشت وخون کا وہ بازار گرم کیا کہ برسات کے پانی کی طرح بغداد کی سڑکوں پر خون بہتا ہے، لاکھوں کتابوں کو اس نے دریا برد کر دیا۔ جب حالات کچھ معمول پر آئے تو ہلاکو خاں

کی بیٹی ایک روز شہر میں گشت کر رہی تھی، ایک جگہ اس نے مسلمانوں کا مجمع دیکھا تو اس نے پوچھا کہ یہاں لوگ کیوں جمع ہیں؟ بتایا گیا کہ یہاں مسلمانوں کے ایک عالم ہیں لوگ ان کے پاس آئے ہیں، اس نے کہا کہ ان عالم کو یہاں لایا جائے، وہ لائے گئے اور ان سے سوال وجواب کا سلسلہ شروع ہوا۔

شہزادی: کیا تم لوگ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے؟

عالم: یقیناً رکھتے ہیں۔

شہزادی: کیا تمہارا ایمان نہیں ہے کہ اللہ جسے چاہے غالب کرتا ہے؟

عالم: بے شک ہمارا اس پر ایمان ہے۔

شہزادی: تو کیا اللہ نے آج ہمیں تم لوگوں پر غالب نہیں کر دیا ہے؟

عالم: بے شک کر دیا ہے۔

شہزادی: کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ اللہ ہمیں تم سے زیادہ چاہتا ہے؟

عالم: نہیں،

شہزادی: کیوں نہیں؟

عالم: تم نے کبھی چرواہے کو دیکھا ہے جو اپنے ریوڑ کے پیچھے کچھ کتوں کو رکھتا ہے۔

شہزادی: جی، دیکھا ہے، وہ کتوں کو رکھتے ہیں۔

عالم: اچھا اگر کچھ بھیڑیں چرواہے کو چھوڑ کر ریوڑ سے نکل کر کسی اور طرف چلی جاتی ہیں اور چرواہے کے بار بار بلانے پر بھی اس کی جانب نہیں آتیں تو چرواہا کیا کرتا ہے؟

شہزادی: وہ اپنے کتوں کو ان پر چھوڑ دیتا ہے جو اُن کو اس وقت تک گھیرے رہتے ہیں اور ان پر غراتے رہتے ہیں جب تک وہ چرواہے کے پاس واپس نہیں آجاتیں۔

عالم: یہی حال تمہارا ہے، تم اللہ کے چھوڑے ہوئے کتے ہو، مسلمانوں نے جب اپنے رب کی اطاعت ترک کر دی اور نفس پرستی، لہو ولعب، اختلافات وتنازعات اور بے عملی میں پڑ گئے اور بار بار موقع ملنے کے باوجود اپنے رب کی اطاعت میں نہیں آئے، اپنا محاسبہ کر کے اصلاح نہیں کی تو اللہ تعالیٰ تم کو ہم پر مسلط کر دیا اور یہ تسلط اس وقت تک باقی رہے گا جب تک مسلمان اپنے خالق ومالک کی طرف رجوع نہیں کر لیں گے، جس وقت یہ کام ہو جائے گا پھر تمہارا یہ تسلط بھی ختم ہو جائے گا۔

ہم چنگیز خاں کی تقریر اور عالم کی بات پر غور کریں۔ چنگیز خاں نے اپنے لشکر کو عذاب الٰہی کہا

تھا اور عالم نے بھی تاتاریوں کو عذاب الٰہی تسلیم کیا اور اس کے اسباب بتائے کہ مسلمانوں کی سربلندی وسرفرازی اور ان کے امن وسکون کا راز کسی ملک یا کسی جماعت سے وابستگی میں نہیں ہے، جو کچھ ہوتا ہے ان کے اعمال کے اچھے اور برے ہونے سے ہوتا ہے، اس سلسلے میں ہم نے گزشتہ شمارے میں ایک حدیث قدسی پیش کی تھی جس سے اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔(۱) لیکن دور حاضر کے مسلمان اسے تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں کیونکہ دین اور شعائر دین سے ہمارا رشتہ اس قدر کمزور ہو چکا ہے کہ ہم ہر چیز کو کسی نہ کسی ظاہری اسباب سے جوڑنے کے عادی ہو چکے ہیں، اور اس میں اس قدر انہماک بڑھ چکا ہے کہ جو طاقت وقوت کا اصل سرچشمہ ہے وہ ہماری نگاہوں سے بالکل اوجھل ہو چکا ہے۔

سرخروئی وسربلندی کی ایک اہم وجہ باہمی اتحاد واتفاق ہے، جس سے کسی کو بھی انکار نہیں ہے لیکن ہماری اندرونی صورتحال یہ ہے کہ ہمیں مسلکی جھگڑوں سے فرصت ہی نہیں ہے ہر وقت ایک دوسرے کے خلاف آستین چڑھی ہی رہتی ہے، ہمارے دینی جلسوں میں اس وقت تک رنگ ہی نہیں آتا جب تک کہ دوسرے مسلک کے لوگوں کی دھجیاں نہ اڑا دی جائیں، اور ان پر گمرہی وبدعقیدگی کی مہر اور کفر وضلالت کے فتوے نہ جاری کردئے جائیں، بات ہم ملت واحدہ کی کرتے ہیں اور حال ہمارا یہ ہے کہ مساجد جن کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے کہ: **أن المساجد لله فلاتدعو مع الله أحداً** (کہ مسجدیں تو صرف اللہ کی ہیں، لہٰذا اس میں اللہ کے علاوہ کسی اور کو نہ پکارو) ان کو بھی ہم نے مسلک کے اعتبار سے تقسیم کرلیا ہے، اور ایک مسلک کے لوگ دوسرے مسلک کی مسجد میں نہیں جاسکتے اگر کوئی چلا گیا تو اسے حیرت سے دیکھا جاتا ہے۔

ایک طرف مسلمانوں کی اختلافی خلیج کا حال یہ ہے کہ وہ روز بروز گہری ہی ہوتی جارہی ہے

---

(۱) **إن الله تعالىٰ يقول: أنا الله لاإلٰه إلا أنا مالك الملوك وملك الملوك، قلوب الملوك فى يدى وإن العباد إذا أطاعونى حوّلت قلوب ملوكهم عليهم بالرحمة والرافة، وإن العباد إذا عصونى حوّلت قلوبهم بالسخطة والنقمة، فأعذبهم سوء العذاب، فلاتشغلوا أنفسكم بالدعاء على الملوك ولكن اشغلوا أنفسكم بالذكر والتضرع كى أكفيكم ملوككم (رواه ابونعيم فى الحلية)** [مشکوۃ شریف: کتاب الامارۃ والقضاء]

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں اللہ ہوں، میرے علاوہ اور کوئی معبود نہیں۔ میں بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں، بندے جب میری اطاعت کرتے ہیں، تو ان کے بادشاہوں کے قلوب کو رحمت ومہربانی کے جذبے کے ساتھ ان پر متوجہ کرتا ہوں، اور جب بندے میری نافرمانی کرتے ہیں تو میں ان کے دلوں کو غصہ اور انتقام کے جذبے کے ساتھ ان کے اوپر بدل دیتا ہوں، تو وہ انھیں سخت عذاب کا مزا چکھاتے ہیں، تو اے لوگو! اپنے آپ کو بادشاہوں کے کے برا بھلا کہنے اور ان پر بددعا کرنے میں مشغول مت کرو، بلکہ ذکر اور دعا کے اندر اور گریہ وزاری میں خود کو مشغول کرو، تا کہ تمہارے بادشاہوں کے مقابلے میں مَیں تمہاری حمایت وکفایت کروں۔

اس کی شدت میں دن بدن اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے، اس کے برعکس ہزاروں سال سے چار طبقے میں بٹے ہوئے ہندو محض مسلمانوں کی دشمنی اور عداوت میں اکٹھے ہورہے ہیں، ایک دلت کو ہندوستان کا صدر بنادیا گیا ہے جو کبھی کسی نے سوچا بھی نہ تھا، لیکن مقصد کے حصول کے لئے سب کچھ گوارا کیا جارہا ہے، تاکہ جلد از جلد ہندوستان کو ہندو راشٹر بنادیا جائے۔ اور ادھر حال یہ ہے کہ ہماری طاقت کا راز جس میں پنہاں تھا اس سے ہم تہی دامن ہوچکے ہیں، اور اس الیکشن نے تو ہمارا بنابنایا بھرم بھی ختم کردیا ہے کہ ہم کنگ میکر یا بادشاہ گر ہیں۔ اب مسئلہ ہمارے شعائر کے تحفظ کا ہے، اس سلسلے میں آنے والے بیانات اب اقدامات میں تبدیل ہونے شروع ہوچکے ہیں، ہر آنے والا دن کس قدر تشویشناک ہوگا یہ سوچنا ہر فرد مسلم کی ذمہ داری ہے، اور جو کچھ کرنا ہے انھیں خود کرنا ہے، کسی اسلامی ملک سے مدد کی امید رکھنا محض خام خیالی اور فریب نفس ہے۔ وہ سب باتیں تاریخ کا حصہ بن چکی ہیں جب ایک عورت نے **وامعتصما** (ہائے معتصم مدد کرو) کا نعرہ لگایا تو عباسی خلیفہ معتصم باللہ ایک لشکر جرار کے ساتھ پہونچ گیا، یا ایک قافلہ کی فریاد پر حجاج بن یوسف نے سندھ پر چڑھائی کردی۔ آج تو خود مسلم ممالک میں اسلامی سوچ اور فکر رکھنے والے افراد کا صفایا کیا جارہا ہے تو دوسروں کی مدد کا کیا تصور ہوسکتا ہے۔

آج جو زمینی حقیقت ہمارے سامنے ہے وہ یہ ہے کہ ایک منتشر قوم متحد ہوکر طاقت وقوت کا محور بن جاتی ہے اور دوسری متحد قوم مختلف قسم کے تنازعات میں پڑنے کی وجہ سے کنارے لگادی جاتی ہے، اب اپنے اسلاف کے کارنامے بیان کرنے اور دوسروں کو الزام دینے سے کچھ ہونے والا نہیں ہے اگر کسی چیز سے صورتحال میں تبدیلی آسکتی ہے تو صرف اس بات سے کہ ہر مسلمان چاہے وہ کسی بھی مکتبہ فکر کا ہو اگر اس کے دل میں ملت کا ذرا بھی درد ہے یا امت کی کچھ بھی فکر ہے تو اسے ذاتی اور مسلکی مفاد سے اٹھ کر ملت کے مفاد کو ترجیح دے، اس کام کے لئے بڑی قربانیاں دینی ہوں گی، بہت ساری خواہشات وجذبات سے دست بردار ہونا پڑے گا، سب سے پہلے اسے اپنی ذات پر محنت کرنی ہوگی، یہ دیکھے بغیر کہ کون کیا کرتا ہے، اس کو ہر وقت یہ بات پیش نظر رکھنی ہوگی کہ بحیثیت مسلمان میری کیا ذمہ داری ہے اور میں اپنی اس ذمہ داری سے کس طرح عہدہ برآ ہوسکتا ہوں، اس طرح بیس کروڑ کی تعداد میں ایک شخص تو اپنے کو سنوار لے گا، جب ہر فرد اسی نہج پر محنت اور کوشش کرے گا تو قطرہ قطرہ دریا شود کی مثال صادق آئے گی، اور حالات میں خوشگوار تبدیلی آئے گی، یہ سب موجودہ حالات میں مشکل تو ضرور ہے لیکن اس کے بغیر حالات میں تبدیلی مشکل تر ہے۔ **واللہ الموفق وھو المعین**

گاہے گاہے باز خواں۔۔۔

مدارس پر گرم نگاہیں

اسباب اور علاج

حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ

(آج سے چند سال قبل جب حکومت نے مدارس پر اپنا شکنجہ کسنے کی تیاری شروع کی تھی اور اس سلسلے میں ایک بل پیش کیا تھا، جو ''سیاہ بل'' کے نام سے مشہور ہوا۔ اسی موقع پر یہ تحریر لکھی گئی، آج بھی اس کی وہی اہمیت باقی ہے، اس وقت پھر ویسی ہی صورتحال سامنے ہے اسی کی مناسبت سے یہ تحریر پیش کی جارہی ہے۔)

قدیم طرز کے دینی مدارس، جہاں دینی تعلیم ہوتی ہے، جہاں قرآن وحدیث اور دوسرے علوم اسلامیہ میں مہارت پیدا کی جاتی ہے، اور ساتھ ہی اسلامی تربیت سے طلبہ کو آراستہ کیا جاتا ہے، جو حکومتوں کی خوشامد اور کاسہ لیسی سے آزاد ہیں اور آزاد رہنا چاہتے ہیں، اس وقت شاید سارے عالم میں عموماً اور ہمارے ملک میں خصوصاً اربابِ حکومت کے مرکزِ نگاہ بنے ہوئے ہیں، انھیں ان مدارس میں وہ تمام چیزیں نظر آتی ہیں، جن سے ان کے دامن بالعموم پاک ہیں، اور وہ بات نظر نہیں آتی جوان کا طرۂ امتیاز ہے۔

شکوک وشبہات، بدگمانیوں اور تہمت طرازیوں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے جو مدارس اور مدارس کے طلبہ واساتذہ پر حملہ آور ہوتا ہے، ایسے حالات پیدا کئے جارہے ہیں کہ یہ مدارس ہراساں ہوکر یا تو خود کو فنا کردیں، یا اپنی راہ بدل دیں، باطل کی حکومتیں ان مدارس کو اپنے لئے خطرہ محسوس کررہی ہیں، اور جب سے سوویت یونین (روس) میں بکھراؤ پیدا ہوا ہے، اور افغانستان میں طالبان کو بالادستی حاصل ہوئی ہے، اس وقت سے یہ حکومتیں اور بوکھلا گئی ہیں، طالبان کی حکومت کو تو پارہ پارہ کرکے افغانستان کو خانہ جنگی کی آگ میں جھونک ہی دیا گیا ہے، اور جہاں جہاں یہ مدارس مصروف خدمت ہیں، ان پر بھی نگاہیں گرم ہیں۔

خیر! باطل اور کفر کی نگاہیں تو ہمیشہ حق پر اور اسلام پر گرم رہی ہیں اور یہ کچھ اتفاقی واقعہ نہیں

ہے۔ بلکہ خدائی انتظام ہے، ہر ایک حق کے پیچھے ایک باطل لگا ہوا ہے، اور اس میں بڑی مصلحتیں ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ط وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ O اور اسی طرح بنائے ہم نے ہر نبی کیلئے دشمن شریر آدمیوں کو اور جنوں کو، جو کہ سکھلاتے ہیں ،ایک دوسرے کو ملمع کی ہوئی باتیں فریب دینے کیلئے، اور اگر تمہارا رب چاہتا تو وہ لوگ یہ کام نہ کرتے ،تو تم چھوڑ دو وہ جانیں اور ان کا جھوٹ (سورہ انعام:۱۱۲)

اس سے معلوم ہوا کہ حق کی مخالفت پر، جھوٹی ملمع سازی کر کے ایک ودسرے کو فریب دینے کی کوشش پر کمر بستہ رہنا اہل باطل کا شیوہ ہے، اور تکوینی طور پر سب کچھ مشیئت الٰہی کے ماتحت ہوتا ہے، عارف باللہ مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں:

> ''اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کے دشمن اس واسطے بنائے کہ عداوت سے بہت کام ہوتا ہے، کیونکہ یہ دنیا دارالابتلاء (آزمائش کی جگہ) ہے، چنانچہ ابتلاء ہی کیلئے اللہ تعالیٰ نے شیطان اور نفس کو پیدا فرمایا ،مگر یہ ابتلاء اس وقت تک تام نہیں ہوتا جن تک کہ اچھی طرح دشمنی نہ کی جائے، اس لئے شیاطین الانس کو بھی پیدا فرمایا، اور یہ یہی کفار اور فساق وفجار ہیں، جو دین کو ناپسند کرتے ہیں اور وہ دراصل یہ شیطان کے اولیاء اور شیطان ہی کے مقرب ہیں، اس کی باتوں کو سنتے اور کان لگاتے ہیں، اور ہر نبی کیلئے اس کا ہونا اس لئے ضروری ہے کہ نبی ہدایت کیلئے مبعوث ہوتا ہے، تو جب تک اس کے بالمقابل کوئی ضلالت پھیلانے والا نہ ہو، یہ ابتلاء کیونکر کامل ہوسکتا ہے، اور یہ بھی ضروری ہے کہ جو لوگ انبیاء علیہم السلام کے طریقے پر ہیں، اور اس کام کو کر رہے ہیں، ان کے دشمن بھی شیاطین الجن اور شیاطین الانس ہوں، اس واسطے ہم ان لوگوں سے کہتے ہیں کہ تم جو ہم سے عداوت کرتے ہو تو یہ انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے، اور اس میں ہمارا فائدہ ہے، لہٰذا اب تم بھی کوشش کرو اور ہم بھی کوشش کریں گے۔''

ہماری کوشش کیا ہوگی؟ ہم بھی کوئی سازش کریں گے؟ یا کوئی جھوٹا سچا پروپیگنڈہ کریں گے؟ اور جس ہتھیار سے ہمارا دشمن ہم پر حملہ آور ہے، بعینہٖ وہی ہتھیار ہم بھی اٹھائیں گے؟ حضرت مصلح الامت اس کا جواب دیتے ہیں کہ نہیں بلکہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے ماننے والے اس عداوت اور اس سازش کی وجہ سے:

> ''ان دشمنوں کے مقابلہ کیلئے تیار ہوجاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف ظاہر وباطن میں رجوع

ہو جاتے ہیں اور اپنی دعوت وتبلیغ میں خوب اچھی طرح مستعد ہو جاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتے ہیں کہ ان لوگوں کی عداوت اور اس کے ضرر سے بچائے، اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بڑی قدرت ہے، پس جس طرح ادھر شیاطین ہیں، تو اُدھر فرشتے ہیں، ہر طرح کی نصرت وتائید ان کے ساتھ ہوتی ہے۔'' (مجموعہ تالیفات مصلح الامت ج:۳،ص:۲۸۳)

بہر کیف دشمنوں کی عداوت تو ایک ناگزیر امر ہے، اس کا خاتمہ ممکن نہیں ہے، لیکن اس عداوت اور سازش کے ضرر سے خود کو بچانا ایک اہم کام ہے، سازش کا جواب سازش نہیں ہے، پروپیگنڈہ کی کاٹ ہماری تعلیمات میں پروپیگنڈہ نہیں، جھوٹ کا جواب جھوٹ نہیں ہے، اگر اسلامی حکومت ہوتی، اسلامی قانون ہوتا تو برائی کی سزا دی جاتی، اور موجودہ صورتحال میں جب معاملہ دوسرا ہے، برائی کا جواب برائی نہیں ہے، پھر کیا ہے؟ اہل مدرسہ کو کیا کرنا چاہئے؟ اس کی تلاش ہونی چاہئے، کیا ہو رہا ہے؟ اس کا احتساب کرنا چاہئے۔

کیا کرنا چاہئے اس کی طرف اشارہ اوپر کی سطروں میں موجود ہے، وہ یہ کہ دشمنوں کے مقابلے کیلئے تیار ہو جائیں، کس طرح مقابلہ کریں۔ طریقہ یہ ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کی طرف ظاہر و باطن میں رجوع ہو جائیں، اور اپنی دعوت وتبلیغ میں، اور اپنے فریضے کی ادائیگی میں خوب اچھی طرح مستعد ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں۔''

ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ احکام شریعت کی پابندی دل وجان سے کریں، خواہ ان کا تعلق احکام ظاہر سے ہو، جیسے عبادات، نماز، روزہ وغیرہ اور معاملات مثلاً لین دین، خرید وفروخت، اور خواہ ان کا تعلق باطن سے ہو، جیسے محبت وعداوت، اخلاص وریا، زہد وحرص وغیرہ، دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ تقویٰ اور خوف خدا کو اپنا شعار بنائیں۔

دوسرے یہ کہ اپنے فریضے کی ادائیگی میں، تعلیم وتربیت میں، دعوت وتبلیغ میں، امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں خوب مستعد ہو جائیں، اور اس میں کسی طرح کی سستی اور لاپرواہی سے کام نہ لیں، سہولت پسندی، عیش کوشی سے دور رہیں۔

تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ سے خوب دعائیں مانگیں، اگر یہ تینوں باتیں مجموعی اعتبار سے حاصل ہو جائیں تو نصرت الٰہی ہر طرف سے حفاظت کرے گی، اور کسی دشمن کا کید اور اس کی سازش نقصان نہ پہونچا سکے گی، اور اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے: وَاِنْ تَـصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ

كَيْدُهُمْ شَيْئاً اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ (سورہ آل عمران:۱۲۰) اگر تم نے صبر واستقامت سے کام لیا اور تقویٰ کو اختیار کیا، تو ان کی سازش تمہیں کوئی نقصان نہ پہونچا سکے گی، بلاشبہہ جو کچھ یہ لوگ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

صبر کا مطلب یہ ہے کہ آدمی گھبرا کر اپنا فریضہ چھوڑ نہ دے اور نہ کسی غلط اور ناجائز طریقے کو اختیار کرے، بلکہ شریعت کے مطابق ڈٹا رہے تو اس صبر وتقویٰ کی وجہ سے وہ ایک مضبوط چٹان کی طرح ہوجائے گا، اہل باطل کی سازشیں آئیں گی اور ٹکرا کر چکنا چور ہوجائیں گی۔

یہ طریقۂ کار فرد کے لئے بھی متعین ہے، اور اجتماعی ماحول کے لئے بھی، جب اس صبر اور تقویٰ میں رخنہ پڑے گا، سازشوں کو نقصان پہونچانے کی راہ ملے گی، دشمنوں کی دشمنی تو رہے گی، لیکن اگر ان تمام رخنوں کو بند کردیا جائے، جن سے سازشوں کو گھسنے کا موقعہ ملتا ہے تو کتا بھونکتا رہے گا اور قافلہ چلتا رہے گا۔

مدارس دینیہ جو اسی غرض سے قائم کئے جاتے ہیں کہ اسلامی شریعت کا علمی اور عملی ہر طریقے سے تحفظ ہوسکے، ان کو کامل طور پر وہ طریقہ اختیار کرنا چاہئے، جو اللہ اور رسول کی منشاء کے مطابق ہو، ہر ممکن جدوجہد کرنی چاہئے کہ احکام شریعت مدرسہ کے ہر شعبہ میں زندہ اور کارفرما رہیں، اہل مدرسہ میں تقویٰ اور تدین کا رنگ چھایا رہے، خواہ مالیات کا شعبہ ہو یا تعلیم وتربیت کا، خواہ باہمی تعلقات کا مسئلہ ہو یا ذاتی وانفرادی زندگی کا شعبہ ہو۔

اس نقطۂ نظر سے ہم اپنا جائزہ لیتے ہیں، تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خطائیں ہی خطائیں ہیں، کوتاہیاں ہی کوتاہیاں ہیں، عہدوں کیلئے لڑائیاں ہیں، ایک ایک مدرسہ میں بعض اوقات کئی کئی گروپ ہوجاتے ہیں، جن میں کشمکش رہتی ہے، اساتذہ ٹولیاں بنا کر افتراق میں مبتلا ہوتے ہیں، طلبہ الگ من مانی کرتے ہیں۔ چونکہ ان مدارس کا قیام اور ان کی بقاء کا تعلق عالم اسباب میں عوامی چندوں سے ہے، تو چندوں میں اتنا انہماک ہوتا ہے کہ بعض اوقات حرام وحلال کی حدیں ٹوٹ جاتی ہیں، اور اس سلسلے میں نامناسب امور کا اتنا ارتکاب ہوتا ہے اور انھیں اتنا غیر اہم سمجھا جاتا ہے جیسے ان کیلئے شریعت کی کوئی ہدایت ہے ہی نہیں، کمیشن پر چندہ کرنا ایک دستور سا بن گیا ہے، حالانکہ شرعاً وہ جائز نہیں ہے، چندہ کرنے والے کمیشن پر چندہ کرتے ہیں اور زکوٰۃ ہی میں سے اپنا کمیشن وضع کرکے بقیہ رقم مدرسہ کے حوالے کرتے ہیں، کیا یہ طریقہ جائز ہے؟

پھر بہت سے مدارس میں تعلیم کی مدت میں طلبہ اور اساتذہ سب کو چندہ کے کام میں لگادیا جاتا ہے، اس سے تعلیم کا ناقابل تلافی نقصان ہوتا ہے، اور مزاج بگڑ جاتا ہے، یہ تو چندے کے حصول کا مسئلہ ہے، اس کے خرچ کا مسئلہ بھی کچھ کم نازک نہیں ہے، مصارف کی بے احتیاطیوں سے ارباب مدارس خوب واقف ہیں۔

ایک افسوسناک اور قابل اصلاح صورت حال یہ ہے کہ عموماً دینی مدارس کے اہل انتظام کالجوں اور یونیورسٹیوں کی ریس میں تعلیم سے زیادہ تعمیر کا جذبہ رکھتے ہیں، کارکنوں کی تنخواہیں تو کم، بہت کم ہوتی ہیں، لیکن تعمیر میں بے تحاشا دولت صرف کی جاتی ہے، اور بعض اوقات بالکل بے ضرورت! ان کی طویل وعریض عمارتوں کا اور کوئی نقصان ہو یا نہ ہو، ہمارے اس ملک میں جہاں تعصب کا الاؤ ہر طرف جل رہا ہے، مدارس کی ان بلند وبالا خوبصورت عمارتوں پر فرقہ پرستوں کی نگاہیں پڑتی اور ان میں خطرے کی علامتیں ڈھونڈھتی ہیں، نہیں ملتیں تو زبردستی تہمت تراشی کرتی ہیں، حالانکہ اگر بقدر ضرورت عمارتیں بنوائیں اور انھیں سادہ انداز پر رکھیں، تو تعلیمی وتربیتی مواقع پر خرچ کرنا آسان ہو، اور ان پر ناجائز نگاہیں بھی نہ پڑیں۔

کیا اچھا ہوتا کہ ارباب مدارس بہت زیادہ شاندار عمارتیں نہ بناتے تو بہت سے فتنوں سے محفوظ رہتے، قرآن کریم میں سورہ کہف میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ وخضر علیہما السلام کا واقعہ ذکر فرمایا ہے، اس میں تذکرہ ہے کہ ایک نئی کشتی کو حضرت خضر نے عیب دار بنا دیا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر اعتراض کیا تو آخر میں اس کے متعلق جو بات حضرت خضر علیہ السلام نے فرمائی وہ یہ تھی: أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسَاكِينَ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ فَأَرَدْتُّ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُم مَّلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْباً، رہا کشتی کا معاملہ! تو وہ چند مسکینوں کی تھی، جو دریا میں کام کرتے تھے، میں نے چاہا کہ اس میں عیب پیدا کر دوں، (کیونکہ) سامنے ایک بادشاہ ہے، جو ہر (اچھی) کشتی کو چھین لیتا ہے۔

غور کیجئے! یہ مدارس ہمارے لئے اس کافرانہ ملک اور حکومت میں نجات کی کشتیاں ہیں، انھیں بوسیدہ ہی رہنا ٹھیک ہے، تاکہ کسی کی بری نظر ان پر نہ پڑے، حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی علیہ الرحمہ نے تذکیر بسورۃ الکھف میں ایک جگہ لکھا ہے کہ:

''کشتی والے نمونے سے جیسا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے خود ہی تصریح کی، یہ بتانا مقصود تھا

کہ ایسے مواقع بھی کبھی پیش آجاتے ہیں، جن میں ظالم کو اس کی ظالمانہ چیرہ دستیوں سے ہٹانے کے درپے ہونا وقت کے اقتضاء کے مطابق نہیں ہوتا، بلکہ ایسے زمانہ میں مصلحت کا تقاضا یہی ہوتا ہے کہ ظالم اپنی ظالمانہ کارروائیوں کا نشانہ جس چیز کو بنانا چاہتا ہے، اسی میں بظاہر کچھ ایسے نقائص اور عیوب چاہئے کہ عمداً اور قصداً پیدا کردیئے جائیں، جن کی وجہ سے ظالم کی حرص وآز کی نگاہوں سے تو وہ چیز گر کر اس کے سامنے سے ہٹ جائے، لیکن بذات خود وہ شئے بھی باقی رہ جائے، اور جو کام اس سے نکل رہا ہو، اس میں خلل پیدا نہ ہو، (ص:۲۴۳)

ہندوستان میں اسلامی مدارس کا جال بچھا ہوا ہے، جن بزرگ ہستیوں نے مدارس کا یہ سلسلہ شروع کیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے ان مدارس کو عصری اسکولوں کے شانہ بشانہ کبھی کھڑا کرنا نہیں چاہا، بلکہ بقول مولانا مناظر احسن گیلانی:

''انتہائی کس مپرسی کے حالات میں گمنام قصبوں اور دیہاتوں کی مسجدوں کے گوشوں میں کچھ پڑھنے پڑھانے والے سمٹ گئے تھے، تعلیمی نصاب نقائص وعیوب سے معمور تھا، نہ عصری تقاضوں کے مطابق علوم وفنون کی کتابیں اس میں شریک تھیں اور نہ دنیا کی موجودہ علمی زبانوں میں کسی زبان کو اس نصاب میں جگہ دی گئی۔'' (ص:۲۵۲)

''لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ مذکورہ بالا عیوب ونقائص سے پاک کرکے ان مدارس کو بھی عصری جامعات اور کلیات کے مطابق بنادیا جاتا...... تو دینی فتنے کے پچھلے تاریک وتار دنوں میں بچھی کچھی نجات کی کچھ کشتیاں لوگوں کو جو میسر آرہی ہیں، جو ایمان وعمل صالح کی زندگی کے ساتھ قبر کے کناروں تک پہونچنے میں اب تک کامیاب ہوئے ہیں، کیا ہم نجات کی ان کشتیوں کو پاسکتے تھے؟'' (ص:۲۵۴)

مولانا کی یہ گفتگو مدارس کے ہمہ جہتی مسائل پر ہے، میں یہاں صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ تعمیرات کے لحاظ سے مدارس اگر پست اور کمتر درجہ کی عمارتوں پر مشتمل ہوں، اور شاہراہ عام کے بجائے ان کیلئے ذرا گمنام جگہوں کا انتخاب کیا جائے، تو موجودہ سیاسی اور حکومتی صورت کے لحاظ سے زیادہ مناسب ہوگا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ انھیں کوئی نہ جانے، مگر یہ ضرور ہے کہ غیر متعلق لوگ کم جانیں تو بہتر ہے، حکومت کی نگاہ ترحم ہو یا نظر غضب، دونوں ہمارے مدارس کیلئے مضر ہیں۔

نظر ترحم کی ایک مثال حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی علیہ الرحمہ کے قلم سے ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں کہ:

''مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی وزارت تعلیم کے زمانے میں ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں کے

سامنے یہ تجویز رکھی کہ گورنمنٹ آف انڈیا ہندوستان میں ایک نمونہ کی عربی درسگاہ قائم کرنا چاہتی ہے، جو ماڈل عربک کالج کے طور پر عربی مدارس کی رہنمائی اور قیادت کرے.....مولانا آزاد کے نزدیک اس کیلئے دارالعلوم (ندوۃ العلماء) سے زیادہ کوئی مدرسہ موزوں نہ تھا، انھوں نے فرمایا کہ اگر ندوۃ العلماء کے ذمہ دار اس تجویز کو قبول کرلیں گے، تو حکومت عمارتوں کی تکمیل کردے گی، یہ تجویز آئی تو ندوۃ العلماء کی ذمہ دار بڑی کشمکش میں پڑ گئے، ایک طرف دارالعلوم کے (ایک خاص مقصد کا وسیلہ ہونے کے لحاظ سے) موت وحیات کا مسئلہ تھا، دوسری طرف مولانا آزاد کی تجویز کو رد کردینا بھی مشکل تھا، جو ایک بزرگ خاندان کی حیثیت رکھتے تھے.....ندوہ کے خادم وامین اچھی طرح سمجھتے تھے کہ اس تجویز کے قبول کرنے کے بعد ندوہ، ندوہ نہیں رہے گا، ایک عربک کالج بن جائے گا، اور ملت کے ہاتھ سے نکل جائے گا......اس تجویز کو قبول کرنا ندوۃ العلماء کی محضر قتل پر دستخط کرنے کے مرادف ہے، لیکن مولانا آزاد سے اس مسئلے پر بات کون کرے، اور مخمصہ سے نکلنے کی سبیل کیسے نکالی جائے۔'' آخر قرعہ فال مولانا مسعود علی کے نام نکلا اور یہ مشکل کام ان کے سپرد ہوا کہ وہ دہلی جائیں اور مولانا آزاد سے ایسی گفتگو کریں کہ ان کے جذبہ کی ناقدری بھی نہ ہو اور معذرت بھی ہو جائے.......

مولانا آزاد سے ملاقات ہوئی، انھوں نے

اپنے معمول کے مطابق کہا کہ مولانا ئے مسعود کیسے آئے؟ کہنے لگے کچھ بزرگوں کے لوحِ مزار کی عبارت کے بارے میں غور وخوض ہورہا ہے، مولانا محمد علی مونگیری کے لوح مزار پر بانی ندوۃ العلماء لکھنا تجویز ہوا ہے، اسی طرح مولانا شبلیؒ کے لوح مزار کی کوئی عبارت بتائی، جس سے ان کی ندوۃ العلماء تحریک کو ترقی دینے کا اظہار ہوتا تھا، کہنے لگے کہ اندیشہ ہے کہ ہمارے اور آپ کے لوح مزار پر قاتلِ ندوۃ العلماء لکھا جائے، مولانا نے بڑے استعجاب سے پوچھا کہ کیوں؟ کیا معاملہ ہے؟ کہنے لگے جو تجویز آپ نے پیش کی ہے، اس کا مآل تو یہی ہے کہ ندوۃ العلماء ختم ہوجائے اور ہم اور آپ اس کے قاتل ٹھہریں، آج تو آپ منصب وزارت پر ہیں، آپ کی موجودگی میں اس کا خطرہ نہیں ہے، لیکن کون آتا ہے اور کیا ہوتا ہے، مولانا کی شہرۂ آفاق ذہانت کیلئے اتنا اشارہ کافی تھا، وہ دور تک بات سمجھ گئے، اور فرمایا کہ آپ لوگوں کا فیصلہ صحیح ہے اور اس تجویز پر کوئی اصرار نہیں۔ (پرانے چراغ ج: دوم)

حکومت کی مہربانیاں کیا اثر رکھتی ہیں، اس واقعہ سے بخوبی واضح ہے، کاش یہ اہل مدارس اس پر غور کرتے، اور اپنے آپ کو حکومت کے سائے سے بچائے رکھتے، مدارس میں جو کام ہوتا ہے، وہ

کہیں نہیں ہوتا، یہاں انسانیت سازی ہوتی ہے، مردم گری ہوتی ہے، کالج اور یونیورسٹی کے طلبہ اور مدارس دینیہ کے طلبہ میں واضح فرق ہے، مگر جو روش اب مدرسوں میں آتی جارہی ہے، اس کے نتیجے میں یہ فرق کم ہوتا جارہا ہے۔

عمارت کچی ہو، معمولی ہو، تعلیم پکی ہو، تربیت غیر معمولی ہو، کارخانہ مخفی ہو، جو مال ڈھل کر نکلا ہے، وہ عمدہ ترین ہو، لیکن اب تو حال یہ ہے کہ عمارت نہایت پختہ اور خوش نما ہے، مگر تعلیم و تربیت اسی لحاظ سے کچی ہے، کارخانہ تو لوگوں کی نگاہ میں آ گیا، شہرت بھی بہت ہوگئی، مگر ردی مال نکل کر بازار میں آرہا ہے۔

مدرسہ کا سارا کام اللہ کے لئے ہو، جس کو جاننا چاہئے وہ جانتا ہے، شہرت کا جذبہ نہ ہو، پروپیگنڈہ کا شوق نہ ہو تب مزاج اسلامی ہے، اور اگر جذبہ نمود ہی کام کرا رہا ہے تو مواخذہ کا اندیشہ ہے۔

مدارس کا تحفظ بہت اہم ہے، اور نہایت ضروری، اس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ جلسے کئے جائیں، تنظیمیں بنائی جائیں، قراردیں پاس کی جائیں، احتجاج اور مظاہرے ہوں، حکومت کے کانوں تک اپنی فریاد پہونچائی جائے، یہ دورِ حاضر کی جمہوریت کا طریقہ ہے، لیکن یہ طریقہ جمہوری ہے، اسلامی نہیں۔ مجبوری میں حدود کے اندر رہ کر اسے اختیار کیا جاسکتا ہے، مگر اس پر اکتفاء کرنا درست نہیں، دوسروں کے عیبوں کو دیکھنے سے زیادہ اپنے معائب کو دیکھنا ضروری ہے، ڈھانچہ موجود ہو، اس میں روح نہ ہو تو آہ و واویلا مچا کر کتنی دیر تک گِدھوں کو روکا جاسکتا ہے، مدارس میں تعلیم و تربیت کا اہتمام نہ ہو............ جو کہ ان کا اصل موضوع ہے............ روحانیت سے خالی ہو، آپسی اختلافات نے ماحول کا ستیاناس کر رکھا ہو، ایک دوسرے کی حق تلفی میں باک نہ ہو، تو کیا اس کھوکھلے جسم پر نگاہیں نہ پڑیں گی۔

مدرسہ تین عناصر سے مرکب ہے، اساتذہ، طلبہ اور اہل انتظام، ان تینوں میں باہمی توافق وتناصر ہو، ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت ہو، غلطیوں سے درگزر کرنے کا حوصلہ ہو، حرص مال اور حب جاہ سے برکنار رہیں، طلبہ کی طرف سے اطاعت گزاری اور اساتذہ و منتظمین کی جانب سے شفقت ومحبت اور جذبۂ خیر خواہی ہو، نصاب تک تعلیم کی تکمیل ہو، اخلاق وانسانیت کی دولت سے تینوں عناصر مالا مال ہوں تو ان شاء اللہ غیبی طور پر ان کے تحفظ کا انتظام ہوگا۔ وماذٰلک علی اللہ بعزیز

☆☆☆☆☆

معاملات ومعاشرت

حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ

معاملات اور معاشرت کا تعلق دراصل ہماری زندگی کی ضرورتوں اور خواہشوں سے ہے، اور اللہ تعالیٰ نے بڑا فضل فرمایا ہے کہ ان چیزوں کے بارے میں بھی احکام دے کر ہمارے لئے ان کو بھی ثواب کا اور اپنی رضا اور اپنا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ بنادیا ہے۔ معاملات سے مراد مالی لین دین کے معاملات ہیں، جیسے قرض، امانت، خرید وفروخت، نوکری، مزدوری وغیرہ۔

اور معاشرت سے مراد رہن سہن کا وہ برتاؤ ہے جو ان لوگوں کے ساتھ کیا جاتا ہے جن سے کسی قسم کا تعلق اور واسطہ پڑتا ہے، خواہ مستقل اور دائمی واسطہ ہو جیسے ماں باپ، اولاد، بھائی بہن، دوسرے اقارب اور میاں بیوی کا، یا گھر کے آس پاس رہنے والے پڑوسی کا، اور خواہ عارضی اور وقتی ہو جیسا کہ سفر کے رفیقوں کا یا مدرسہ یا کارخانہ کے ساتھیوں کا۔

دین میں معاملات اور معاشرت کی خصوصی اہمیت:

اخلاق کی طرح دین میں ان دونوں شعبوں کی بھی بڑی اہمیت ہے، بلکہ ان کو دوسروں شعبوں کے مقابلہ میں اس حیثیت سے خاص امتیاز حاصل ہے کہ ان میں اپنی دنیوی منفعت اور مصلحت اور اپنی خواہش نفس کی اور اللہ کے احکام کی کشمکش دوسرے تمام شعبوں سے زیادہ رہتی ہے، مثلاً کاروبار میں منفعت اس میں نظر آتی ہے، اور نفس کی خواہش بھی عموماً یہی ہوتی ہے کہ جھوٹ سچ اور جائز ناجائز کا لحاظ نہ کیا جائے، بلکہ جیسا موقع ہو اور جس طرح بھی زیادہ نفع کی امید ہو وہ کر گزر جائے ،لیکن اللہ کا دین یہ کہتا ہے کہ خبردار چاہے سراسر نقصان ہو، اور چاہے بالکل دیوالیہ نکل جائے لیکن جھوٹ ہرگز نہ بولو، اور صرف اس طریقے سے کاروبار کرو جس کو اللہ نے حلال کیا ہے، اسی طرح معاشرت یعنی آپس کے برتاؤ کا حال ہے، اس میں بھی خواہش نفس اور اللہ کے حکم کے درمیان اکثر مقابلہ اور تصادم رہتا ہے، اس لئے بندہ کی بندگی اور فرمانبرداری کا سب سے سخت امتحان معاملات اور

معاشرت کے احکام میں ہے۔

معاملات اور معاشرت کی اہمیت کا ایک دوسرا پہلو:

اور دوسرا پہلو، ان شعبوں کی اہمیت کا یہ ہے کہ ان کا تعلق اللہ کے بندوں کے حقوق سے بھی ہے یعنی نماز روزہ اگر چہ ارکانِ دین ہیں، اور اس حیثیت سے ایمان کے بعد انہی کا درجہ ہے، لیکن وہ صرف حقوق اللہ ہیں اور جو شخص ان میں کوتاہی کرتا ہے وہ صرف خدا کا مجرم ہوتا ہے، اور اگر توفیق مل جائے اور سچے دل سے استغفار اور توبہ کر کے اپنے یہ گناہ معاف کرا لے تو اللہ تعالیٰ کے کرم سے معافی ہی کی امید ہے، لیکن معاملات اور معاشرت میں اگر گڑ بڑ ہوئی تو اللہ تعالیٰ کی بھی نافرمانی ہوئی اور کسی نہ کسی بندے کی اس میں حق تلفی بھی ضرور ہوئی، اور بندے تو عموماً ہم ہی جیسے کم حوصلہ اور تنگ ظرف ہیں وہ تو قیامت میں اپنی پھوٹی کوڑی بھی نہ چھوڑیں گے۔ ایک حدیث کا مضمون ہے کہ:

''بعض لوگ نماز اور روزہ اور صدقہ وخیرات کی قسم کی بہت سی نیکیاں یہاں سے کما کے لے جائیں گے، لیکن ان کے معاملات اور ان کی معاشرت خراب ہوگی، کسی کا حق مارا ہوگا، کسی کا دل دکھایا ہوگا، کسی کی غیبت کی ہوگی وغیرہ وغیرہ، جب وہ محشر میں مقامِ حساب میں پہونچیں گے تو جن لوگوں کے معاملاتی اور معاشرتی حقوق ان کے ذمہ ہوں گے وہ مدعی بن کر کھڑے ہو جائیں گے، اور اللہ تعالیٰ سے انصاف کے طالب ہوں گے، پھر اللہ تعالیٰ انصاف اور فیصلہ فرمائیں گے اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ نماز، روزہ، صدقہ وخیرات کی قسم کی ان لوگوں کی ساری نیکیاں ان مدعیوں کو دلوا دی جائیں گی، اور جب ان نیکیوں سے بھی ان لوگوں کے پورے حقوق ادا نہ ہوں گے تو ان مدعیوں کے کچھ گناہ ان لوگوں پر لا د دیئے جائیں گے، اور بالآخر جہنم میں ڈلوا دیئے جائیں گے۔'' (رواہ مسلم)

بہر حال اس پہلو سے معاملات ومعاشرت کی بڑی اہمیت ہے، اور غالبًا اسی حیثیت سے ایک حدیث میں معاملات اور معاشرت کی اصلاح کو صراحۃً نماز، روزہ اور صدقہ وخیرات سے افضل بتایا گیا ہے، یہ حدیث ترمذی اور ابوداوٴد کے حوالے سے مشکوٰۃ شریف میں نقل کی گئی ہے، اس کے راوی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ہم سے فرمایا:

ألا أخبركم بأفضل من درجة الصيام والصدقة والصلوٰة ؟

کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتاوٴں جو روزہ، صدقہ اور نماز سے بھی افضل ہے؟

ابوالدرداءؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا حضرت وہ چیز ضرور بتلایئے!

آپ نے ارشاد فرمایا:

قال اصلاح ذات البین وفساد ذات البین ھی الحالقة۔

وہ چیز آپس کے معاملات اور معاشرتی تعلقات کی اصلاح ہے، اور ان معاملات اور تعلقات کی خرابی مونڈ دینے والا استرا (بال مونڈنے والا استرا نہیں بلکہ دین کا صفایا کردینے والا استرا) ہے۔

ان ہی دو حدیثوں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام میں معاملات اور معاشرت کی اصلاح ودرستگی کی کتنی اہمیت ہے۔

افسوس آج کل کے بہت سے اچھے خاصے دیندار حلقوں میں بھی معاملات اور معاشرت کی اصلاح ودرستی کا اتنا اہتمام نہیں جتنا کہ ہونا چاہئے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بہت سے لوگ جن کی حالت نماز وروزہ وغیرہ عبادات کے لحاظ سے کچھ غنیمت بھی ہے، معاملات اور برتاؤ ان کے بھی اسلامی نہیں، ایسی حالت میں عبادتیں اور دعائیں کیا قبول ہوں۔

مشکوٰۃ میں بحوالہ مسند احمد حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من اشتریٰ ثوباً بعشرة دراھم وفیه درھم حرام لم یقبل اللّٰه تعالیٰ له صلوٰة مادام علیه ثم أدخل إصبعیه فی أذنیه وقال صمّتا إن لم یکن النبی ﷺ سمعته یقوله،

جس شخص نے دس درہم کا کوئی کپڑا خریدا، اور ان دس درہموں میں ایک درہم حرام ہے (جو کسی ناجائز ذریعہ سے حاصل ہوا تھا) تو جب تک وہ شخص اس کپڑے کو پہنے رہے گا اس کی کوئی نماز بھی اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرے گا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے یہ حدیث سنا کر اپنے کانوں میں انگلیاں دے کر سامعین سے فرمایا کہ بہرے ہوجائیں میرے یہ کان اگر میں نے حضورؐ سے یہ بات نہ سنی ہو۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **إن اللّٰه طیب لایقبل إلا طیباً**، بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے، اور پاکی کے سوا کچھ قبول نہیں کرتا۔

پھر اس کے بعد آپ ﷺ نے رزقِ طیب حاصل کرنے کی تاکید فرمائی، اور پھر آخر میں ایک

شخص کا ذکر فرمایا:

ثـم ذكر الرجل يطيل السفر أشعث إغبر يمد يديه إلى السماء يارب يارب ومطعمه حرام ومشربه حرام وغذى بالحرام فأنىٰ يستجاب لذٰلک(رواہ مسلم،مشکوٰۃ)

جو دور دراز کا سفر کر کے (کسی خاص مقدس اور متبرک مقام پر دعا کرنے کیلئے) اس حال میں آئے کہ اس کے بال پراگندہ ہوں اور سر سے پاؤں تک غبار میں اَٹا ہوا ہو، اور آسمان کی طرف دونوں ہاتھ اٹھا کر وہ خوب الحاح وزاری کے ساتھ دعا کرے اور کہے، اے میرے رب! اے میرے پروردگار! لیکن اس کا کھانا پینا حرام مال سے ہو، اور حرام مال ہی سے اس کی پرورش ہوئی ہو تو اس حالت میں اس کی یہ دعا کیونکر قبول ہوگی؟

مطلب یہ ہے کہ جب کسی شخص کے کاروباری معاملات درست اور شریعت کے مطابق نہ ہوں، اور اس کا کھانا پینا اور پہننا حرام مال اور ناجائز آمدنی سے ہو تو اس کی دعا قبول نہیں، چاہے وہ ہزار میل کا سفر کر کے کسی مقدس و متبرک مقام پر جا کر ہی دعا کرے، ایک اور حدیث میں ہے:

لايدخل الجنة جسد غذى بالحرام۔

جو جسم حرام غذا اور ناجائز آمدنی سے پلا ہو، وہ جنت میں نہ جا سکے گا۔

رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ کی رضا و رحمت حاصل کرنے کیلئے اور سچا مسلمان بننے کے لئے جس طرح نماز، روزہ وغیرہ عبادات اور اخلاق حسنہ ضروری ہیں اسی طرح معاملات کی درستی اور ذرائع آمدنی کی صحت اور پاکی بھی ضروری ہے۔

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ایسے لوگوں سے اپنی بیزاری اور بالکل بے تعلقی کا اعلان فرمایا ہے جو کاروبار میں ایمانداری اور دیانتداری کے اصول کی پابندی نہ کریں۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ غلہ کے ایک ڈھیر کے پاس سے گذرے، (جو کسی دکاندار نے لگا رکھا تھا) آپ نے اپنا ہاتھ اس ڈھیر کے اندر داخل کر دیا تو اندر کچھ نمی محسوس ہوئی (حالانکہ اوپر سے غلہ بالکل سوکھا نظر آتا تھا) آپ نے دکاندار سے پوچھا کہ یہ کیا قصہ ہے کہ اوپر سے تمہارا غلہ خشک ہے اور اندر گیلا ہے، اس نے کہا کچھ بوندیں پڑ گئی تھیں، جس سے غلہ تر ہو گیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: پھر تم نے اس بھیگے ہوئے غلہ کو ڈھیر کے اوپر کیوں نہیں ڈالا تاکہ خریدار تمہارے غلہ کے گیلے پن کو دیکھ سکتا، اس کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من غش فليس مني ۔(رواہ مسلم، مشکوٰۃ)

جو کوئی (کاروبار میں) دھوکہ کرے وہ میرا نہیں (یعنی میرا اس سے کوئی تعلق نہیں)

اسی طرح جو لوگ اسلام کے سکھائے ہوئے شریفانہ آدابِ معاشرت کی پابندی نہ کریں، ان کے متعلق بھی کہا گیا ہے کہ وہ ہم میں سے نہیں ہیں، رسول اللہ ﷺ کی مشہور حدیث ہے:

ليس منا من لم يرحم صغيرنا ولم يعرف شرف كبيرنا ۔(ترمذی، ابوداؤد)

جو ہمارے چھوٹوں کے ساتھ رحم وشفقت سے، اور بڑوں کے ساتھ ادب واحترام سے پیش نہ آئے، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے کہ جن چیزوں کے متعلق حضور ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ جو یہ نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے، اس کا کم درجہ واجب کا ضرور ہے، پس اس حدیث کی رُو سے چھوٹوں کے ساتھ شفقت کا برتاؤ اور بڑوں کے ساتھ ادب وعظمت کا برتاؤ گویا ہمارے دینی اور شرعی واجبات میں سے ہے، حالانکہ یہ ایک خالص معاشرتی مسئلہ ہے۔

معاشرت کا اصل اصول یہ ہے کہ اللہ کے بندوں کی دل آزاری سے بچا جائے اور ان کا حق ادا کرنے کی اور (شریعت کے حدود میں رہتے ہوئے) ان کو خوش کرنے اور خوش رکھنے کی اور ان کے حق کے مطابق ان کو آرام پہونچانے کی پوری کوشش کی جائے، اس معاملہ میں اسلام کا جو منشاء اور جو نقطۂ نظر ہے اس کا کچھ اندازہ اس حدیث سے کیا جاسکتا ہے، جس میں حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

''جب تین آدمی ایک جگہ بیٹھے ہوں تو ایک کو تنہا چھوڑ کے ان میں سے دو الگ باتیں نہ کریں (ممکن ہے اس سے اس کا دل دکھے اور وہ آزردہ ہو) بلکہ جب کوئی چوتھا آجائے جو اس کے پاس بیٹھا رہ سکے تو یہ دونوں الگ ہو کر اپنی باتیں کرلیں۔''

لیکن آج ہمارا حال یہ ہے کہ دوسروں کی دل آزاری میں ہمیں لذت آتی ہے، اللہ تعالیٰ ہماری اس بیماری کی اصلاح فرمائے، شاید ہم لوگ سب سے زیادہ اس کے مریض ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ایمان کامل نہیں ہوسکتا، اور ہماری زندگی اسلامی زندگی نہیں بن سکتی جب تک کہ اپنے معاملات اور اپنی معاشرت کو بھی درست نہ کریں۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسجد میں باتیں نہ کرنا

حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتھم،
شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیو بند
ناقل: عادل سعیدی پالن پوری

بزرگو اور بھائیو! آج کوئی خاص تقریر نہیں کرنی، بس دو ضروری باتیں عرض کرنی ہیں، ان میں سے پہلی بات یہ ہے کہ اس ملک کی مسجدوں کا نظام صحیح نہیں، کمیونٹی سینٹر اور مسجدوں کا ایک ہی حال ہے، جب لوگ مسجدوں میں آتے ہیں، تو باہر اور مسجد میں کوئی فرق نہیں ہوتا، جیسے کمیونٹی سینٹر میں پہنچ کر لوگ باتیں کرتے ہیں، اسی طرح مسجدوں میں بھی باتیں کرتے ہیں، یہ غلط طریقہ ہے، اللہ تعالی سورۃ الحج میں ارشاد فرماتے ہیں: وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ،(سورہ حج:۳۲) جو شخص اللہ تعالی کے دین کی امتیازی نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے، تو یہ تعظیم کرنا اس کے دل میں پرہیز گاری کی وجہ سے ہوتا ہے، جس دل میں تقوی اور پرہیز گاری ہوتی ہے، وہی شعائر اللہ (اللہ کے دین کی امتیازی نشانیوں) کی تعظیم کرتا ہے۔

شعائر اللہ کیا ہیں:

ہر وہ چیز جس کو دیکھ کر فوراً سمجھ لیا جائے کہ یہ چیز فلاں مذہب سے تعلق رکھتی ہے، تو وہ اس مذہب کا شعار ہے، جیسے چرچ پر منارہ اور صلیب دیکھ کر ہر آدمی سمجھ جاتا ہے کہ یہ چرچ ہے، یہ عیسائیت کا شعار ہے، یہودیوں کا شعار چھ کونوں والا تارہ ہے، اس کو دیکھ کر آدمی فوراً سمجھ جاتا ہے کہ یہ دکان، یہ گھر، یہ عبادت خانہ یہودیوں کا ہے، یہ یہود کا شعار ہے، مندر کی ایک خاص بناوٹ ہے، ہندو عورت مانگ میں سندور لگاتی ہے، مرد قشقہ لگاتا ہے، اور ایک خاص انداز سے دھوتی پہنتا ہے، ان چیزوں کو دیکھ کر آپ فوراً سمجھ جائیں گے کہ یہ ہندو ہے، یہ سب شعائر الہنود ہیں، اسی طریقہ پر اسلام

کے کچھ شعائر ہیں، جن کو دیکھ کر ہر آدمی فوراً سمجھ جاتا ہے کہ یہ مذہبِ اسلام سے تعلق رکھنے والی چیز ہے، یہ شعائر اللہ ہیں، اللہ تعالی کے دین کی امتیازی نشانیاں ہیں۔

شعائر اللہ کتنے ہیں:

شعائر اللہ بہت ہیں، بڑے شعائر چار ہیں، قرآن کریم، کعبہ، نبی اور نماز، کعبہ صرف اسلام کے پاس ہے، کسی اور مذہب کے پاس کعبہ نہیں، قرآن کریم مسلمانوں کی متبرک کتاب ہے، ہر آدمی جانتا ہے، نبی بھی شعائر اللہ میں سے ہے، کیونکہ آج دنیا میں اسلام کے علاوہ کوئی مذہب نہیں، جو نبی کا صحیح تصور رکھتا ہو، برطانیہ میں ایک مرتبہ ہم یہودیوں کی عبادت دیکھنے کیلئے باقاعدہ وقت لیکر ان کے عبادت خانہ (سینیگوگ) میں گئے، ہم نے ان کی نماز دیکھی، نماز کے بعد ہم نے ان کے امام سے پوچھا: موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے؟ اس نے جواب دیا: صرف معلم اور استاد، استاد تو دنیا میں کروڑوں ہیں، ان کا اپنے نبی کے بارے میں، نبی کا کوئی تصور نہیں، عیسائیوں کا حضرت عیسی علیہ السلام کے بارے میں اللہ کا بیٹا ہونے کا تصور ہے، وہ بھی نبی کا کوئی تصور نہیں رکھتے، ہندو اپنے بڑوں کے بارے میں اوتار کا تصور رکھتے ہیں، نبی کا نہیں رکھتے، اوتار کا مطلب یہ ہے کہ جب زمین شر وفساد سے بھر جاتی ہے، تو اللہ تعالی انسان بن کر دنیا میں پیدا ہوتے ہیں، پھر آہستہ آہستہ بڑے ہوتے ہیں، اور بڑے ہوکر دنیا سے سب برائیاں ختم کرتے ہیں، پھر مر جاتے ہیں، اور مر کر اپنی جگہ چلے جاتے ہیں، تو ان کے یہاں بھی نبی کا کوئی تصور نہیں، نبی کا صحیح تصور صرف اسلام میں ہے۔

نبی کا صحیح تصور:

وہ صحیح تصور کیا ہے؟ أشهد أن محمداً عبده و رسوله، میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ تعالی کے بندے اور اس کے رسول ہیں، دو چیزوں کو جمع کرنا نبی کا صحیح تصور ہے، اسلام حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر خاتم النبین ﷺ تک سب نبیوں کے بارے میں یہی تصور رکھتا ہے، کہ یہ سب انسان تھے، جیسے ہم انسان ہیں، ہمارے درمیان اور ان کے درمیان انسان ہونے کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں تھا، ہماری دو آنکھیں ہیں، نبیوں کی بھی دو آنکھیں تھیں، ہمارے دو کان، دو ہاتھ، ایک منھ اور ایک ناک ہے، نبیوں کے بھی یہی سب اعضا تھے، ہم کھاتے ہیں، پیتے ہیں، بازار جاتے ہیں، انبیا بھی کھاتے پیتے اور بازار جاتے تھے، انسان ہونے کے ناتے ہم میں اور نبیوں میں کوئی فرق نہیں تھا۔

پھر فرق کیا تھا؟ ان کو ایک بہت بڑا عہدہ مل گیا تھا، وہ عہدہ، نبوت اور رسالت کا عہدہ ہے، یہ اتنا بڑا عہدہ ہے جو انہیں کو ملا ہے، دوسرا چاہے جتنی بھی محنت کر لے، اس کو یہ عہدہ نہیں مل سکتا، جیسے کسی ملک کا صدر، وزیر اعظم اور بادشاہ ہوتا ہے، ان میں اور عوام میں انسان ہونے کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہوتا، لیکن فرق ہوتا ہے کہ وہ ملک کا صدر، وزیر اعظم ہے، بادشاہ ہے، یہ ان کا مرتبہ ہے، اور یہ مرتبہ انہی کو حاصل ہے، دوسرے کسی کو حاصل نہیں۔

اسی طریقہ پر اسلام کا تصور تمام نبیوں کے بارے میں یہ ہے کہ وہ انسان تھے، اور اللہ تعالی نے ان کو ایک بہت بڑا عہدہ دیا تھا، **أشهد أن محمداً عبده و رسوله**، کا یہی مطلب ہے، میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ تعالی کے بندے ہیں، وہ کوئی خدا نہیں، وہ کوئی خدا کے بیٹے نہیں، وہ کوئی مافوق الفطرت شخصیت نہیں، آدم علیہ السلام کی ساری اولاد جیسے انسان تھی، وہ بھی انسان تھے، مگر وہ اللہ کے رسول ہیں، اور تمام نبیوں اور رسولوں کے سردار ہیں، یہ بہت بڑا عہدہ اللہ تعالی نے ان کو دے رکھا تھا، نبیوں کے بارے میں اسلام کا یہی تصور ہے، اور یہی نبوت کا صحیح مفہوم ہے، اور یہ صحیح مفہوم صرف اسلام میں ہے، اس کے علاوہ اور کسی مذہب میں نبوت کا صحیح مفہوم نہیں، اس لئے نبی بھی شعائر اللہ میں سے ہے۔

اور چوتھی چیز ہے: نماز، دنیا کے تمام مذاہب اللہ تعالی کی بندگی کرتے ہیں، بلکہ یہود و نصاری تو نماز پڑھتے ہیں، لیکن اللہ تعالی کی بندگی اور نماز پڑھنے کا جو طریقہ مسلمانوں کا ہے، وہ عیسائیوں اور یہودیوں کے یہاں نہیں، اگر آپ سڑک کے کنارے پر، پلیٹ فارم پر، بس اسٹینڈ پر کسی آدمی کو مصلی بچھا کر اللہ تعالی کی بندگی کرتے ہوئے دیکھیں، تو آپ دیکھتے ہی فوراً سمجھ جائیں گے کہ یہ مسلمان ہے۔

الغرض اسلام کے بڑے شعائر چار ہیں: قرآن کریم، کعبہ، نبی اور نماز، ان کے علاوہ اور بھی چھوٹے چھوٹے شعائر ہیں، قربانی کے جانور بھی شعائر ہیں، ہدی کے جانوروں کو بھی شعائر اللہ کہا گیا ہے، اسی طریقہ پر مسجدیں بھی شعائر اللہ ہیں، کہ ان کو دیکھ کر ہر آدمی سمجھ جاتا ہے کہ یہ مسلمانوں کی عبادت گاہ ہے، بلکہ مسجد کے مینارے جو ایک خاص انداز سے اٹھائے جاتے ہیں، وہ بھی شعائر اللہ ہیں، ان کو دیکھ کر بھی آدمی مسجد کو پہنچان لیتا ہے، اور شعائر اللہ کے بارے میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ**، (سورہ حج: ۳۲)، جو شخص اللہ تعالی کے دین کی

امتیازی نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے، تو یہ تعظیم کرنا اس کے دل میں تقوی ہونے کی وجہ سے ہے۔

شعائر اللہ کی تعظیم کیا ہے؟

شعائر اللہ کی تعظیم کا کوئی ایک متعین طریقہ نہیں، ہر علامت کی تعظیم اس کے شایانِ شان کی جاتی ہے، پس قرآن کریم کی تعظیم کے طریقے الگ ہیں، کعبہ کی تعظیم کے طریقے الگ ہیں، نبی کی تعظیم کے طریقے الگ ہیں، نماز کی تعظیم کے طریقے الگ ہیں، قربانی کی تعظیم کے طریقے الگ ہیں، مسجدوں کی تعظیم کے طریقے الگ ہیں، غرض شعائر اللہ کی تعظیم کا کوئی ایک متعین طریقہ نہیں۔

کعبہ شریف کی تعظیم یہ ہے کہ اس کا طواف کرو، اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو، اس کی طرف پیر نہ کرو، استنجے کے وقت اس کی طرف منہ کرو، نہ پیٹھ۔

قرآن کریم کی تعظیم یہ ہے کہ بے وضو اس کو ہاتھ نہ لگائیں، بے وضو قرآن کریم پڑھ تو سکتے ہیں، لیکن ہاتھ نہیں لگا سکتے، ایسا کیوں ہے؟ جب بے وضو ہاتھ لگانا جائز نہیں، تو پڑھنا بھی ناجائز ہونا چاہئے، جواب یہ ہے کہ ایسا ضرورت کی بنا پر ہے، مکتبوں اور مدرسوں میں صبح سے شام تک اساتذہ اور طلبہ قرآن کریم پڑھتے اور پڑھاتے ہیں، اگر یہ شرط لگا دی جائے کہ پڑھنے کیلئے بھی وضو ضروری ہے، تو مکتبوں کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا، صبح سے شام تک اساتذہ اور طلبہ باوضو کیسے بیٹھیں گے؟ اسی طرح سے ہر مسلمان کو، جب بھی موقعہ ملے، تلاوت کرنی چاہئے، وضو کی شرط لگا دیں گے تو ہر وقت تلاوت نہیں ہو سکے گی، اس لئے شریعت نے ضرورت کی وجہ سے اتنی گنجائش رکھی، جنابت کی حالت میں قرآن کریم پڑھنا تو حرام ہے، کیونکہ یہ حالت کبھی کبھی پیش آتی ہے، اور بے وضو ہونے کی حالت میں زبانی قرآن کریم پڑھنے کی اجازت دیدی، کہ یہ حالت بار بار پیش آتی ہے، الغرض قرآن کریم کی تعظیم یہ ہے کہ آپ بے وضو اس کو ہاتھ نہ لگائیں۔

قرآن کریم ہاتھ سے گر جائے تو اس کا کفارہ کیا ہے؟:

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ نادانی میں قرآن کریم ہاتھ سے گر جاتا ہے، لوگ پوچھتے ہیں: اس کا کفارہ کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ اس کا کوئی کفارہ نہیں ہے، نادانی میں قرآن کریم کا ہاتھ سے گر جانا کوئی گناہ نہیں، اور کفارہ گناہ کا ہوتا ہے، گناہ کیوں نہیں؟ حدیث شریف میں ہے: **رفع عن أمتِي الخطأ و النسيان و ما استكرهوا عليه**، میری امت سے تین باتیں اٹھا دی گئی ہیں، یعنی ان کا کوئی گناہ

نہیں، ایک: چوک، دوسری: بھول، تیسری: زبردستی کرایا ہوا کام، تو ان تین کا کوئی گناہ نہیں، چوک: جیسے شکاری نے خرگوش کو گولی ماری، اور جس کو وہ خرگوش سمجھ رہا تھا، وہ کوئی آدمی نکلا، اور وہ گولی آدمی کو جا لگی، تو اس قتل کا کوئی گناہ نہیں، دیت تو آئے گی، لیکن اس کو قتل کا کوئی گناہ نہیں ہوگا، اسی طریقہ سے بھول ہے، بھول کی وجہ سے کہیں تو عبادت بھی نہیں ٹوٹتی، اور گناہ بھی نہیں ہوتا، اور کہیں عبادت تو ٹوٹ جاتی ہے، مگر گناہ نہیں ہوتا، دورانِ نماز اگر کسی نے بھولے سے کسی شخص کو سلام کا جواب دیدیا، تو نماز ٹوٹ جائے گی، مگر گناہ نہیں ہوگا، روزہ کی حالت میں بھولے سے کچھ کھا پی لیا، تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹا، اور گناہ بھی نہیں ہوا، بہر حال بھول میں کہیں عبادت ٹوٹ جاتی ہے، اور کہیں نہیں ٹوٹتی، اور گناہ دونوں صورتوں میں نہیں ہوتا۔

اور تیسری چیز ہے: زبردستی کوئی کام کروانا، جیسے مباح چیزوں میں اللہ تعالی کو سب سے زیادہ ناپسند طلاق ہے، دو چار آدمیوں نے پکڑا، اور جان سے مارنے کی دھمکی دے کر کسی سے طلاق دلوائی، اس نے جان بچانے کیلئے طلاق دیدی، تو اس طلاق میں کوئی گناہ نہیں، بے ضرورت آدمی طلاق دے، تو اس کا گناہ ہوگا، اسی طرح حالتِ حیض میں اگر طلاق دے دی، تو گناہ گار ہوگا، لیکن زبردستی کرنے میں گناہ نہیں ہوگا، البتہ طلاق پڑ جائے گی۔

غرض شریعت میں چوک کا، بھول کا، اور زبردستی کوئی کام کروایا گیا ہو، تو اس کا کوئی گناہ نہیں، جب یہ بات ہے، تو ہاتھ سے جو قرآن کریم گرا ہے، اس کی دو ہی شکلیں ہوسکتی ہیں، یا تو چوک گیا ہے، یا بھول گیا ہے، کوئی مسلمان ہوش وحواس کی سلامتی کے ساتھ ایسا کام نہیں کرسکتا، بھول سے گرے گا، یا چوک سے گرے گا، یہی دو شکلیں ہیں، ان کے علاوہ اور کوئی شکل نہیں، اور ان دو شکلوں میں کوئی گناہ نہیں، اور جب گناہ نہیں، تو کفارہ بھی نہیں۔

اور اگر کسی نالائق نے جان بوجھ کر قرآن کریم کو نیچے ڈالا، تو یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کا کوئی کفارہ توبہ کے علاوہ نہیں، جیسے یمین غموس میں کوئی کفارہ نہیں، گذرے ہوئے زمانہ کی کسی بات پر جھوٹی قسم کھانا، اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس سے بڑا کوئی گناہ نہیں ہوسکتا، اس لئے کوئی کفارہ نہیں ہے، علاوہ توبہ کے، اسی طریقہ پر قرآن کریم کو جان بوجھ کر پٹخنا بھی اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کیلئے کوئی کفارہ ممکن نہیں، توبہ کرے، اور سچی پکی توبہ کرے، تو ہی گناہ معاف ہوگا۔

بہر حال غلطی سے، نادانی سے کبھی قرآن کریم گر جائے، تو اس کا کوئی گناہ نہیں، لیکن اگر کوئی

اپنے دل پر سے بوجھ ہٹانے کیلئے کچھ صدقہ وخیرات کرنا چاہے،تو کرے،ضرور کرے، کیونکہ ایسا واقعہ پیش آنے کی صورت میں مومن کے دل پر ایک بوجھ پڑتا ہے،اور صدقہ کرنے سے وہ بوجھ ہٹ جاتا ہے،باقی مسئلہ کی روسے اس پر کوئی کفارہ نہیں۔

خیر قرآن کریم کی تعظیم یہ ہے کہ اس کو بے ضو ہاتھ نہ لگایا جائے، نبی کی تعظیم یہ ہے کہ اس کا احترام دل میں ہو،اور جب بھی نبی کا نام لے،تو درود بھیجے، یا سلام بھیجے،موسیٰ نے کہا،یوں نہ کہو،یوں کہو: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا، ہر نبی کا احترام دل میں ہونا چاہئے، اور یہ احترام جو دل میں ہے،وہ زبان اور عمل سے ظاہر بھی ہونا چاہئے، ایسے ہی ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا جب نام آئے،تو درود پڑھے،صلوٰۃ وسلام بھیجے، یہ نبی کی تعظیم میں داخل ہے،بعض لوگ اتنا جلدی درود پڑھتے ہیں کہ وہ غیر واضح ہوتا ہے،اس طرح درود شریف پڑھنے کا کیا فائدہ؟ مزے لے کر اور واضح درود شریف پڑھنا چاہئے، واضح صلوٰۃ وسلام بھیجنا، اس بات کی علامت ہے کہ اس کے دل میں اس شخصیت کا احترام ہے۔

نماز کی تعظیم یہ ہے کہ جب آپ نماز پڑھنے کیلئے کھڑے ہوں،تو لکڑی بن جائیں، آج کل ہماری نمازیں ایسی ہوگئی ہیں کہ بس ان کا اللہ ہی مالک ہے،نیت باندھتے ہی سارے بدن میں کھجلی شروع ہوجاتی ہے،کبھی اِدھر کھجائیں گے،کبھی ادھر، پہلے کہیں کھجلی نہیں تھی، جہاں نیت باندھی کہ چاروں طرف کھجلی ہی کھجلی،نماز سے پہلے صحیح تھے،نیت باندھتے ہی جمائیاں شروع ہوگئیں، حدیث شریف میں ہے:**التثاوب فِی الصلاۃِ مِن الشیطان**،نماز شروع کرنے کے بعد جو جمائیاں شروع ہوجاتی ہیں، یہ شیطان کے اثر سے ہے،نیت بندھی ہوگی، اور چاروں طرف دیکھیں گے، ہماری نمازوں کی یہ صورتِ حال ہے،وہ اس وجہ سے ہے کہ ہمارے دل میں نماز کی تعظیم نہیں،بس ایک وظیفہ ہے،جس کو ہم پورا کردیتے ہیں۔

نماز کی تعظیم یہ ہے کہ جب آپ کھڑے ہوں،تو ایسے مستغرق ہوجائیں، کہ آپ کو نہ اپنے بدن کا ہوش رہے، نہ چاروں طرف کا، پوری طرح اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوکر نماز پڑھ رہے ہوں، یہ نماز کی تعظیم ہے۔

قربانی اور ہدی کے جانور بھی شعائر ہیں، ان کی تعظیم یہ ہے کہ ان کی خدمت کرو، خوب کھلاؤ، پلاؤ،نہلاؤ، دھلاؤ،مسجدوں کی تعظیم یہ ہے کہ اپنے گھروں سے اچھا اللہ تعالیٰ کا گھر بناؤ اور مسجد

میں آتے ہی دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھو، نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے: اِذا مررتم بِرِیاضِ الجنۃِ فارتعوا، جب تم جنت کی کیاریوں سے گذرو، تو چرو۔ جیسے جانور ہری بھری کیاری پر سے گذرتے وقت منہ مارتا ہے، تم بھی جنت کی کیاریوں پر منہ مارو، اور جنت کی کیاریاں مسجدیں ہیں، اور چرنا یہ ہے کہ مسجد میں آتے ہی دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے، مکروہ وقت ہو تو الگ بات ہے، وضو نہ ہو، تو الگ بات ہے، لیکن اگر باوضو ہو، اور مکروہ وقت بھی نہ ہو، تو جب بھی مسجد میں داخل ہو، دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے، یہ مسجد کا احترام ہے۔

مسجد میں باتیں کرنا نیکیوں کو کھا جاتا ہے:

حدیث شریف میں ہے: اِیاکم وھیشات السوق، مارکیٹ میں جس طرح باتیں اور شور ہوتا ہے، اسی طرح باتیں اور شور کرنے سے مسجدوں میں بچو، جیسے کسی بڑے آدمی کے پاس جب لوگ جاتے ہیں، تو سب خاموش بیٹھتے ہیں، یہ بڑے آدمی کا ادب ہے، مسجدوں کا بھی یہ ادب ہے، کہ مسجدوں میں جاتے ہی باتیں بند ہو جانی چاہئیں، کیونکہ وہ اللہ تعالی کے گھر ہیں۔

مگر میرے بھائیو! اس ملک کی صورتِ حال بہت بگڑی ہوئی ہے، اس ملک میں لوگ مسجدوں کو کمیونٹی سینٹر سمجھتے ہیں، یہ ٹھیک نہیں، حدیث شریف میں ہے کہ مسجد میں دنیا کی باتیں کرنے سے نیکیاں اس طرح خاکستر ہو جاتی ہیں، جس طرح سوکھی لکڑیاں آگ لگنے سے خاکستر ہو جاتی ہیں، نیکی ندارد، گناہ لازم! اللہ جانے مسجد میں نیکیاں ملیں، یا نہیں، گناہ کا گٹھر ضرور مل گیا۔

مسجدوں کو باتوں سے بچانے کا طریقہ:

مسجدوں میں لوگ باتیں کیوں کرتے ہیں؟ اس کی وجہ ہے کہ لوگ دور دور سے کبھی کبھی نماز پڑھنے آتے ہیں، مستقل نمازی تو پانچ سات ہوتے ہیں، ایسے نمازی مسجد میں باتیں نہیں کرتے، جب دور دور سے کبھی کبھی نمازیں پڑھنے کیلئے آئیں گے، تو ایک دوسرے سے ملاقات پر خیریت تو پوچھیں گے ہی، کچھ کاروبار کا حال بھی پوچھیں گے، کچھ اِدھر ادھر کی باتیں بھی کریں گے، یہ وجہ ہے مسجدوں میں باتیں کرنے کی۔

آپ کہیں گے کہ یہ تو واقعی ایک ضرورت ہے، جب دور دراز سے کافی دنوں کے بعد اکٹھا ہوئے ہیں، تو باتیں تو کریں گے ہی، باتوں کیلئے کچھ تو موقع ملنا چاہئے، صحیح بات ہے، موقع ملنا چاہئے، مگر اس کیلئے انتظام کرنا چاہئے۔ میں برطانیہ پچیس سال سے جا رہا ہوں، پہلے وہاں بھی یہی

صورت حال تھی، جب ہم نے ان کو سمجھایا، تو انہوں نے آہستہ آہستہ اس پر قابو پالیا، کیسے پایا؟ مسجد کا ہال الگ کر دیا، اور مسجد کے ہال سے باہر پیسیج بنا دیا، اگر چہ جمعہ کے دن اس پیسیج میں بھی نماز ہوگی، مگر اس کو باقاعدہ مسجد میں نہیں لیا، اب جس کو افطاری کرنی ہے، پیسیج میں کرے، باتیں کرنی ہے، پیسیج میں کرے، اور مسجد کے ہال میں قدم رکھتے ہی چپ ہو جائے، اب کوئی بات نہ کرے، یہ مسجدوں کو لوگوں کی باتوں سے بچانے کا ایک طریقہ ہے، ابھی مسجدوں کے تعلق سے یہاں اتنی ترقی نہیں ہوئی، ان شا اللہ تعالی ایک وقت آئے گا، کہ یہاں بھی یہ نظام بن جائے گا، فی الحال تو کرنا یہ ہے کہ یہ نظام بننے سے پہلے مسجد میں باتیں کرنے سے احتیاط برتو، باتیں کرنی ہوں، تو باہر نکل کر جہاں وضو خانہ ہے، وہاں جا کر کرو، اور یہ طریقہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنایا تھا، آپ نے مسجد نبوی کی مشرقی جانب میں، ایک جگہ خاص کی تھی، جس کو بطیحا کہا جاتا تھا، اور لوگوں کو حکم دیا تھا: **من أراد أن يلغط، و يرفع صوتاً، و يُنشِد شعراً، فليخرج اِليه** (وفا الوفا جلد نمبر ا صفحہ نمبر ۳۵۳) یعنی جو شور وغل کرنا چاہے، یا زور سے بولنا چاہے، یا زور سے شعر پڑھنا چاہے، وہ مسجد نبوی سے اس جگہ میں جائے (اور یہ کام کرے)۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسجد سے باہر ایسی جگہ ہونی چاہئے، پھر لوگوں سے کہا جائے کہ مسجد میں دنیوی باتیں نہ کریں، پیسیج میں جا کر کریں، تو لوگ مان جائیں گے، بلکہ یہاں کے لوگ تو سمجھدار ہیں، کہنے کی ضرورت بھی پیش نہیں آئے گی۔ **و آخِر دعوانا نِ الحمد لله ربِ العالمِين**

☆☆☆☆☆

بقیہ ص: ۳۹ کا

اور یہ بھی ایک بدیہی امر ہے کہ قرآن کریم کے حفظ میں نہ تو انسانی کوششوں اور نہ عرب اور مسلمانوں کی کاوشوں کا دخل ہے، امت مسلمہ بہت سے المیہ کا شکار ہوئی اور ایسے مراحل سے گذری کہ اگر قرآن حکیم کی حفاظت ان سے وابستہ ہوتی تو قرآن حکیم کب کا محو ہو چکا ہوتا بلکہ قرآن حکیم کی حفاظت کا ذمہ اس رب نے بذات خود لیا ہے جو قرآن حکیم کا بھی رب ہے، سارے جہان کا خالق ہے، دنیا کا مالک ہے پوشیدہ اور ظاہر تمام حقائق کا جاننے والا ہے اور ہر چیز پر قادر ہے۔

مصادر ومراجع

1۔قرآن کریم
2۔الظاہرالقرآنی ۔مالک بن نبی
-3موسوعة بيان الاسلام الرد على الافتراء ات والشبهات القسم الاول القرآن المجلد الثانی نخب من كبار العلما
4۔مذاہب التفسیر الاسلامی۔عبدالحلیم النجار

قرآن کریم کے خلاف جنگ اور علما امت کا دفاع

ترجمہ وتلخیص: مولانا وزیر احمد ندوی
استاذ شعبہ عربی ویسٹ منسٹر کالج ردبئی رمتحدہ عرب امارات

قرآن کریم کے خلاف محاذ آرائی کا سلسلہ قرآن کریم کے نزول کے وقت ہی سے شروع ہو گیا تھا،اس محاذ آرائی کی آگ اسی وقت بھڑکنا شروع ہوگئی تھی جب قرآن کریم نے بت پرستی کے خلاف آواز اٹھائی،قرآن مجید نے اس ابتدائی جنگ کا تذکرہ خود کیا ہے. یہ جنگ کبھی سخت ہو جاتی اور کبھی سرد پڑ جاتی،لیکن صلیبی جنگوں کے وقت قرآن کریم پر افترا پردازیوں اور محاذ آرائیوں میں اس وقت شدت آ گئی جب بعض مستشرقین نے قرآن کریم کے رد وابطال کے موضوع پر کتابیں لکھیں، قرآن مجید کا ترجمہ لاطینی زبان میں کیا تاکہ قرآن کریم میں تحریف کا راستہ کھل سکے۔مستشرقین کی یہ تمام کوششیں رائیگاں گئیں اور قرآن کریم کی حقانیت وصداقت اور واضح ہو گئی ،لیکن قرآن مجید پر موجودہ حملہ گذشتہ تمام حملوں سے زیادہ خطرناک ہے،اس حملہ میں چینلوں اور ویب سائٹوں کا سہارا لیا گیا۔امریکہ نے ایک من گھڑت قرآن **الفرقان الحق** کے عنوان سے پیش کرنے کا دعویٰ کیا لیکن سب سے عجیب بات یہ ہے کہ اس سب کے باوجود قرآن کریم ہی کو فکری غلبہ حاصل ہوا کیونکہ اللہ تعالی کے اس کلام کے درمیان جس کو اللہ تعالی نے انسانوں کی ہدایت اور ان کے قلبی سکون کے لئے اتارا ہے اور انسان کے من گھڑت کلام کے درمیان بہت فرق ہے۔خیر وشر اور حق و باطل کے درمیان رسہ کشی برابر رہے گی یہ اللہ تعالی کی سنت ہے شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز   چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

ہر زمانہ کے علماء نے قرآن حکیم پر اٹھائے جانے والے اعتراضات اور افترا پردازیوں کا کھل کر دفاع کیا ہے اور اس سلسلہ میں ان کی کوششیں قابل قدر ہیں ،علماء امت نے بہت ساری

کتابیں اس موضوع پر لکھی ہیں جن میں سے مندرجہ کتابیں بہت نمایاں ہیں:

☆ الرد علی ابن الراوندی۔ مصنفہ الجاحظ المتوفی 255ہجری
☆ مشکل القرآن - مصنفہ ابن قتیبہ الدینوری المتوفی 276ہجری
☆ التمہید - اعجاز القرآن - مصنفہ ابوبکر باقلانی المتوفی 403ہجری
☆ تنزیہ القرآن عن المطاعن - مصنفہ القاضی عبدالجبار المتوفی 415ہجری
☆ حقائق الاسلام واباطیل خصومہ - عباس محمود العقاد
☆ شبہات حول الاسلام - محمد قطب

ان کتابوں کے علاوہ بہت سے مفسرین نے اس موضوع پر اپنی تفسیروں میں بحث کی ہے جن میں مندرجہ ذیل تفسیر نمایاں اہمیت کی حامل ہیں:

☆ معانی القرآن - تصنیف - امام الفرا المتوفی 207ہجری
☆ الکشاف - تصنیف - الزمخشری المتوفی 538ہجری
☆ التفسیر الکبیر) مفاتیح الغیب (امام رازی المتوفی 604ہجری
☆ روح المعانی - امام آلوسی المتوفی 1270ہجری
☆ تفسیر التحریر والتنویر - مصنفہ - محمد طاہر ابن عاشور
☆ تفسیر المنار - محمد رشید رضا مصری . 1935_1865
☆ مناہل العرفان فی علوم القرآن - الزرقاوی.

اس طرح زمانہ قدیم اور زمانہ جدید میں قرآن کریم کے اعراب پر بھی کتابیں لکھی گئیں جن میں چند معرکۃ الآرا کتابیں یہ ہیں:

☆ معانی القرآن واعرابہ۔ الزجاج۔ تاریخ وفات 311ہجری.
☆ اعراب القرآن - النحاس - تاریخ وفات۔ 338ہجری.
☆ التبیان فی اعراب القرآن - العکبری۔ تاریخ وفات 618ہجری.
☆ اعراب القرآن الکریم۔ محی الدین الدرویش۔

آج قرآن کریم پر جو اعتراضات کئے جاتے ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر انہیں کتب سے ماخوذ ہیں، اعتراض اور شبہ کرنے والوں نے شبہ کو نقل کیا ہے اور اس کی تردید نہیں کی ہے بلکہ اس شبہ اور

اعتراض کو اس قدر بڑھا کر اور مختلف انداز میں پیش کیا ہے کہ ایک اعتراض سے دسیوں اعتراض جنم لیتے ہیں بلکہ اعتراضات اور شبہات سے ایک قدم آگے بڑھ کر انہوں نے قرآن حکیم، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر بہتان تراشی کی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ افتراپردازیاں گالیاں ہیں جن سے اعراض ہی بہترین علاج ہے۔

قرآن حکیم پر حملہ کیوں؟

قرآن حکیم کے خلاف محاذ آرائی کے بہت سے اسباب وعوامل ہیں جن کو مختصر طور پر ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

نفسیاتی سبب: بسا اوقات حقائق کے ابطال اور ان کی تحریف کا سہارا اپنی کمزوری اور بے بسی کو چھپانے کے لئے لیا جاتا ہے، مقابلہ سے بے بسی اور کمزوری حقائق کے انکار کا روپ دھار لیتی ہے، جیسا کہ یہ حقیقت ہے کہ منفی صفات کا اپنانا خود دوسروں پر اتہام کے مترادف ہے، اور علم النفس کے ماہرین کے نزدیک یہ ایک طرح کا PROJECTION پروجیکشن ہے جس کا سہارا انسان اس وقت لیتا ہے جب وہ اپنے آپ کو ذہنی اور فکری پریشانیوں سے بچانا چاہتا ہے کیونکہ اسے اس حقیقت کا ادراک ہوتا ہے کہ غلبہ طاقتور فکر ہی کو حاصل ہوگا اور دین اسلام جیسا کہ حقیقت ہے عقیدہ اور اخلاق کے لحاظ سے دیگر مذاہب سے زیادہ طاقتور ہے، اسلام کی طاقت اس کے متبعین کی کثرت میں پوشیدہ نہیں ہے جیسا کہ دوسرے مذاہب میں ہے بلکہ اسلام کی قوت خود اسلام کے اندر پوشیدہ ہے، اس لئے کہ یہ دین حق ہے، سرتاپا خیر ہے، امن وسلامتی ہے۔ یہیں سے مغرب اپنے سیاسی اقتصادی اور عسکری تفوق کے باوجود فکری طور پر مات کھا جاتا ہے اور عقل وانصاف کا دامن تھامنے کے بجائے طاقت اور ظلم وزیادتی کے ذریعہ اصل حقیقت کو چھپانے اور اس کے ابطال کا سہارا لیتا ہے۔

وجدانی اور علمی سبب: موجودہ عصر میں سیاسی، اقتصادی اور عسکری میدانوں میں مسلمانوں کی شکست وریخت کے باوجود مغرب فکری طور پر اسلام کے مقابلہ میں ناکامی کا شکار ہے، قرون وسطیٰ میں قرآن حکیم پر افتراپردازی درحقیقت عقیدہ اور فکر میں اسلام کے مقابلہ میں چرچ کی ناکامی کا پیش خیمہ ہے۔ وحدانیت کے عقیدہ کے سامنے تثلیث کا عقیدہ بے بنیاد ثابت ہوا اس میں اس امر کا اضافہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ چرچ نے زندگی سے کنارہ کشی اختیار کر لی جبکہ اسلام

دین و دنیا دونوں کا جامع ہے، اس لئے عیسائیوں اور مسیحیوں کو اسلام میں داخل ہونے سے روکنے کے لئے چرچ کے سامنے صرف ایک راستہ رہ گیا اور وہ یہ ہے اسلام کے پیغام کی شکل وصورت کو یکسر مسخ کر دیا جائے آج تک مغرب اور اہل مغرب دوسروں کے اخراج اور مسترد کر دینے کی پالیسی اختیار کرتے ہوئے قرآن کریم اور نبی اکرم ﷺ کی نبوت پر طعن وتشنیع میں لگے ہوئے ہیں اور وہ اسلام کے بارے میں یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلام دوسروں کے اخراج پر عمل پیرا ہے، چرچ نہ تو اسلام کو دین تسلیم کرتا ہے نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی، اور نہ قرآن کریم کو کتاب مقدس۔ان کے نزدیک قرآن کریم ایک جھوٹ ہے، محمد ﷺ کا ایجاد کردہ ہے یا وہ یہودیت اور نصرانیت کا تسلسل ہے اور نعوذ باللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک تاریخی وہم ہیں، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین وحشی ہیں اور مسلمان بربر اور خونریز قوم ہے، حالانکہ ان کو اس حقیقت کا ادراک ہے کہ اسلام دوسروں کا اعتراف کرتا ہے بلکہ ایک مسلمان کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ تمام انبیا اور کتابوں پر ایمان نہ لائے۔

استشراقی فکر اور قرآن کریم پر حملہ:

وہ عدل وانصاف جس کی بنیادوں پر قرآن کریم نے ہماری معاشرتی اور سماجی زندگی کو استوار کیا ہے اس کا تقاضا ہے کہ ہم اس بات کا برملا اعتراف کریں کہ سارے مستشرقین برابر نہیں ہیں ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جنہوں نے حق کا ساتھ دیا ہے اور عدل وانصاف سے کام لیا ہے، ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جنہوں نے ظلم وزیادتی کی ہے ہم یہاں پر انہیں مستشرقین کے نمونے پیش کریں گے جنہوں نے قرآن کریم کے ساتھ انصاف کے بجائے ظلم وزیادتی سے کام لیا ہے، ہم یہاں ان مستشرقین کے چند افکار ونظریات کا جائزہ لیں گے جنہوں نے قرآن کریم کے مطالعہ کے وقت قرآن کریم سے اپنی دشمنی کا اظہار کیا ہے۔

☆ تھیوڈر نولڈکے (1834_1930-) کی کتاب جس کا عنوان ہے: تاریخ القرآن (Geschichte Des Qoran) یہ قرآن حکیم پر لکھی جانے والی سب سے اہم اور مشہور کتاب ہے، بعد میں آنے والے مستشرقین اس کتاب سے بہت متاثر ہیں، یہ کتاب قرآن کریم کے مطالعہ کے لئے مستشرقین کے نزدیک انجیل کی حیثیت رکھتی ہے۔

☆ پروفیسر اجناس گولڈ زیہر) پیدائش 22 جون-1850 وفات 13 نومبر (1921 کی کتاب Die Richtungen der Islamischsn koranauslegnug

☆ مشہور امریکی مستشرق جون وانسبر و (John Wansborough) (1928_2002) کی کتاب studies (Sources and methods of scriptural interpretation) جون وانسبر وکی یہ کتاب سب سے زیادہ خطرناک ہے اس کتاب نے ان متاخرین مستشرقین کو بہت متاثر کیا ہے جنھوں نے قرآن کریم اور تاریخ اسلامی کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ جون وانسبر و کے وہ جھوٹے اتہامات جو اس نے قرآن کریم پر لگائے ہیں ان کا مدلل ومفصل جواب ایک عرب اسکالر سعد بن عبداللہ عبدالعزیز الرشید نے " مکہ مکرمہ سے اسلامی لٹریچر " نامی اپنی کتاب میں دیا ہے۔ فاضل اسکالر نے دلیلوں کے ساتھ یہ واضح کیا ہے کہ قرآن کریم کے وہ نقوش جو مکہ مکرمہ کی چٹانوں اور پتھروں پر پائے گئے ہیں وہ وانسبر و کے اس نظریہ کی کھلم کھلا تردید کرتے ہیں جس میں وہ اس بات کا قائل ہے کہ قرآن کریم مکہ مکرمہ میں نازل نہیں ہوا

☆ نیل رابنسن۔ 1908_1983 کی کتاب Discovering: the Quran : A contemporary Approachto a veiled text

(پوشیدہ متن کا ایک معاصرانہ نقطہ نظر)

☆ کریستف لوکسنبرگ :) جرمن مستشرق : (کی تصنیف Die syro - aramaischer Lesart Des Koran,Ein Beitrag zuer Entschlusselung der Qur'an spray:

(قرآن کریم کی شامی اور آرامی ریڈنگ : قرآن کریم کی زبان کی تحلیل کی ایک کوشش)

کریستف غالبا ایک وہمی اور مستعار نام ہے، گذشتہ چند سالوں میں قرآن کریم کے خلاف محاذ آرائی میں یہ نام زیادہ مشہور رہا ہے شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ قرآن کریم پر حملوں کی وجہ سے حقیقی مصنف مسلمانوں کے ری ایکشن سے ڈرتا ہو اس لئے اس نے یہ نام مستعار لے لیا ہو۔

☆ ابن وراق : (ایک ہندی الاصل مستشرق) کی کتاب (Why I am not Muslim (میں مسلمان کیوں نہیں ہوں؟) اس کتاب میں علمی اسلوب میں مذہب اسلام کو سخت نشانہ بنایا گیا ہے گرچہ مضمون میں کوئی صداقت نہیں ہے۔

یہ چند نمونے ہیں جو ہم نے یہاں پر ذکر کئے ہیں تا کہ مطالعہ کرنے والوں کو اس بات کا اندازہ ہو جائے کہ مستشرقین نے کس قدر قرآن حکیم پر حملے کئے ہیں علامہ استاد محمود شاکر نے ان محاذ

آرائیوں کے بارے میں بہت سچ اور صحیح بات لکھی ہے۔ وہ مالک بن نبی کی کتاب الظاہر القرآنی کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں "دشمن کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ایک تہذیب کا دوسری تہذیب سے مقابلہ کیا جائے یا گمراہی کو ہدایت کے مقابلہ میں لا کھڑا کیا جائے یا حق کے ذریعہ باطل کو شکست دی جائے یا کمزوری کے اسباب کو قوت کے اسباب سے مٹایا جائے بلکہ ان مستشرقین کا پہلا اور آخری مقصد یہ ہے کہ اسلامی دنیا میں ثقافت اور کلچر کے میدان میں ایسے بیمار اور زخم خوردہ افراد پیدا کئے جائیں جن کا معاشرہ میں کوئی وزن نہ ہو اور وہ ایسے لوگ ہوں جو انہیں کے طرز کے مطابق سوچیں اور غور کریں، گویا ان مستشرقین کے جرائم ایک عظیم ثقافت کی بیخ کنی میں ان کے انہی جرائم کی طرح ہیں جو انہوں نے ملکوں کی بیخ کنی میں انجام دیئے ہیں، اور وہی ہوا جو اللہ تعالی نے مقدر کیا تھا دشمن اپنے اس حربہ میں کامیاب ہو گیا۔

قرآن کی چمک دمک میں اضافہ:

جو شخص قرآن کریم کی تاریخ کا مطالعہ کرے گا وہ اس نتیجہ پر پہونچے گا کہ قرآن کریم کی ایک خصوصیت جو قرآن کریم کے اعجاز کی دلیل بھی ہے یہ ہے کہ قرآن کریم پر جتنے حملے کئے گئے ہیں اتنا ہی قرآن کریم طاقت وقوت کے ساتھ ابھرا ہے۔ قرآن حکیم کے ابدی حقائق نے ان افترا پردازیوں کا قلع قمع کر دیا ہے جو قرآن کریم کے ان دشمنوں نے اس پر لگائے ہیں اور اللہ تعالی کا یہ فرمان سچ ثابت ہوا ہے(لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ (سورہ حم سجدہ:۴۲) باطل نہ اس کے سامنے سے آسکتا ہے نہ پیچھے سے، یہ کتاب اس ذات کی طرف سے اتاری گئی ہے جو حکیم ہے اور لائق تعریف ہے۔

قرآن کریم کی آیات عقل کو آسودگی اور قلب کو سکون بخشتی ہیں اور کجی اور افترا پردازی کا قلع قمع کرتی ہیں جس کی وجہ سے سرکش کے سامنے دو ہی راستہ باقی رہتا ہے، یا تو وہ دلیل کے ساتھ ایمان لائے یا دلیل کے ساتھ اس کا انکار کر دے۔ قرآن کریم ہی وہ واحد کتاب ہے جو سرکش اور منکر سے تخاطب پر قدرت رکھتا ہے کیونکہ یہ مخلوق سے خالق کا خطاب ہے اور وہ ان کو زیادہ جاننے والا ہے اللہ تعالی کا فرمان ہے: أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ (سورہ ملک:۱۴) سنو وہ اس کو جانتا ہے جسکو اس نے پیدا کیا اور وہ باریک بیں اور جاننے والا ہے۔

قرآن کریم میں ایسے نمونے موجود ہیں جو سرکش سے ڈائیلاگ کی طرف اشارہ کرتے ہیں انہیں میں سے نمرود سے قرآن کریم کا ڈائیلاگ ہے ارشاد باری تعالی ہے: اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡ حَآجَّ اِبۡرٰهٖمَ فِیۡ رَبِّهٖۤ اَنۡ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الۡمُلۡكَ‌ۘ اِذۡ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیۡ یُحۡیٖ وَیُمِیۡتُۙ قَالَ اَنَا اُحۡیٖ وَاُمِیۡتُ‌ؕ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاۡتِیۡ بِالشَّمۡسِ مِنَ الۡمَشۡرِقِ فَاۡتِ بِهَا مِنَ الۡمَغۡرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیۡ كَفَرَ‌ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ (سورۃ البقرۃ:۲۵۸) کیا اپ نے اس کو نہیں دیکھا جس نے رب کے بارے میں ابراہیم سے مباحثہ کیا، اس وجہ سے کہ اللہ نے اس کو بادشاہت دی تھی ابراہیم نے کہا میرا رب زندگی اور موت دیتا ہے تو اس نے کہا میں بھی زندگی اور موت دیتا ہوں، ابراہیم علیہ السلام نے کہا میرا رب سورج مشرق سے لاتا ہے تو مغرب سے سورج لا دے تو وہ کافر سشدر رہ گیا اور اللہ تعالی ظالموں کو ہدایت نہی دیتا۔) اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کتاب ہدایت ہے فرمان باری تعالی ہے: هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الۡهُدٰى وَالۡفُرۡقَانِ (سورۃ البقرۃ:۱۸۵) یہ قرآن کریم لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور اس میں ہدایت اور حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والے دلائل ہیں) قرآن کریم کی ہر آیت بلکہ ہر لفظ میں اس ربانی ہدایت کا راز مضمر ہے جس کے لئے قرآن کریم کا نزول ہوا ہے جب یہ ہدایت دل کو چھو جائے اور عقل اس پر غور کرے تو اس کو محفوظ پناہ گاہ اور ابدی حقیقت نصیب ہو جاتی ہے اور پھر وہ ان آیات ہدایت پر ایمان لاتا ہے اور ایمان وتصدیق سے اس کا دل معمور ہو جاتا ہے۔ ہمیں اس بات کا پختہ یقین ہے اور عقل و تجربہ بھی اس پر شاہد ہیں کہ قرآن کریم کے خلاف موجودہ محاذ آرائی بھی قرآن کریم کے مفاد میں ہے، جس طرح گذشتہ حملوں میں قرآن کریم ہی کو غلبہ حاصل ہوا ہے اور کامیابی ہمیشہ نتائج سے ہوتی ہے، ان حملوں کے بعض نتائج درج ذیل ہیں۔

ان حملوں کے نتیجہ میں قرآن کریم کی طرف توجہ مبذول ہوتی ہے، سلجھے ہوئے لوگ غور وفکر کی طرف مائل ہوتے ہیں اور جس قدر وہ تحقیق اور غور کرتے ہیں قرآن حکیم سے ان کی قربت میں اضافہ ہوتا ہے، اس لئے کہ قرآن حکیم حق اور سچ ہے، اللہ تعالی کی طرف سے نازل کردہ ہے وہ کسی انسان کا کلام نہیں جس میں ہمیشہ نقص اور کمی کا امکان رہتا ہے، یہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کا کلام ہے اس کی آیات راہنما اور معجز ہیں، قرآن کریم کمال کی بلندیوں پر فائز ہے۔ بہتیرے لوگوں نے قرآن کریم میں شک وشبہ کیا لیکن جب ہدایت ان کو راس آ گئی تو وہ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ بابرکت ہے وہ

ذات جس کا یہ کلام ہے۔

ان حملوں کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ وہ مسلمان جو اپنی عملی ،معاشرتی اور اخلاقی زندگی میں قرآن کریم سے کٹ جاتے ہیں وہ ان حملوں سے خواب غفلت سے بیدار ہو جاتے ہیں اور قرآن کریم سے انصاف کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور اپنے احوال کی درستگی پر توجہ دینے لگتے ہیں تا کہ وہ اپنے آپ کو اس قرآن عظیم کا سچا آئینہ بنا سکیں اور وہ نیکی ان کے اندر ظاہر ہو جائے جو اللہ تعالی قرآن کریم کے ذریعہ ان کے اندر پیدا کرنا چاہتا ہے، کُنتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاس (سورہ آل عمران :۱۱۰) خطرہ کا احساس مسلمانوں کے اندر اللہ تعالی کی پناہ لینے اور قرآن کریم کو مضبوطی سے تھامنے کا ذریعہ بنتا ہے ،منکرین قرآن کریم کے شبہات اور حاسدوں کی تمام افترا پردازیوں کے باوجود غلبہ قرآن کریم کو حاصل رہا ہے ،اور یہ اس وقت سے ہے جب سے قرآن کریم نازل ہونا شروع ہوا، کافروں کی شروع سے یہ کوشش رہی ہے کہ اس قرآن کریم میں شک وشبہ پیدا کر کے لوگوں کو اس کے سننے سے روکا جائے اللہ تعالی نے اس حقیقت کی طرف یوں اشارہ کیا ہے: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ (حم سجدہ:۲۶) اور جن لوگوں نے کفر کیا انہوں نے کہا اس قرآن کو مت سنو اور اس کو پڑھے جانے کے وقت شور مچا تا کہ تم کو غلبہ حاصل ہو جائے۔

فیصلہ کن مقابلہ قرآن کریم کی ان آیات میں ہے جس نے ان کو چیلنج کیا: وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِنْ مِثْلِهِ وَادْعُوْا شُهَدَآءَ كُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ (سورۃ البقرۃ:۲۳) جب بلاغت کے شہ سوار قرآن کریم کے بارے میں شک وشبہ پیدا کرنے میں ناکام ہو گئے تو انہوں نے ایک دوسرے طریقہ کا سہارا لیا اور وہ لین دین کا طریقہ ہے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اس پر ڈیل کی کوشش کی کہ وہ ان آیات کو بدل کر ایسی آیات لائیں جو ان کی خواہشات نفس کے مطابق ہوں ارشاد باری تعالی ہے) وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآئَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هٰذَا اَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْ اَنْ اُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَآءِ نَفْسِيْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى اِلَيَّ اِنِّيْ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ (سورہ یونس:۱۵)

اللہ تعالی نے قرآن کریم کی آیت کے طریقہ ادائیگی یا آیت کے کلمے اور حرف کو بھولنے سے نبی کریم ﷺ کی حفاظت فرمائی۔قرآن حکیم کی آیات اس بات کی وضاحت کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے قرآن حکیم کے سننے کے وقت اس بات کے شدید خواہش مند

ہوتے کہ ان کلمات اور حروف کو بار بار دہرائیں یہاں تک کہ اللہ تعالی کی طرف سے یہ حکم نازل ہوا: لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ○ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ (سورہ قیامہ:۱۶/۱۷) ایک دوسری جگہ ارشاد باری تعالی ہے: سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى (سورہ الاعلیٰ:٦) یہ تمام آیات اس بات کو روز روشن کی طرح عیاں کر دیتی ہیں کہ دین اسلام نہ تو انسانی معاملہ ہے نہ عقل کی پیداوار ہے بلکہ اللہ تعالی جو سارے جہان کا رب ہے اس کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ جب مشرکین مکہ قرآن حکیم کا مقابلہ نہیں کر سکے تو انہوں نے قرآن کریم کے بارے میں یہ کہنا شروع کر دیا کہ نعوذ باللہ یہ ایک جادو ہے۔ اس کا ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے کہ جب مشرکین مکہ نے عتبہ بن ربیعہ (جو عربی زبان وادب ،فصاحت وبلاغت اور حکمت ودانائی کا سرخیل مانا جاتا تھا) کو رسول اکرم ﷺ کے پاس بھیجا، جب عتبہ نے قرآن کریم کی آیات سنی اور ہدایت نے اس کے دل کو چھولیا تو وہ قریش کے پاس واپس آیا اور ان کو اطلاع دی کہ قرآن حکیم انسانی کلام نہیں ہے، تو وہ کہہ پڑے کہ "محمد نے تم پر جادو کر دیا ہے"۔

سال اور صدیاں گذرتی گئیں، قرآن کریم پر اعتراضات اور افترا پردازیوں کا سلسلہ چلتا رہا۔ سب سے خطرناک حملہ قرآن کریم پر اس وقت ہوا جب صلیبی استعمار نے مشرق اسلامی پر اپنا قبضہ جما لیا، مستشرقین کی ایک جماعت نے قرآن کریم کے خلاف کتابیں لکھیں اور ایک دوسری جماعت نے قرآن کریم کے کلمات کا حرف بحرف لیٹن زبان میں ترجمہ کیا تاکہ قرآن کریم میں تحریف کا راستہ کھل سکے، لیکن یہ تمام کوششیں ناکام رہیں اور قرآن کریم مزید طاقت وقوت کے ساتھ ابھر کر سامنے آیا۔

آج ہمارے موجودہ زمانہ میں قرآن حکیم زبردست حملوں کا نشانہ بن رہا ہے یہ حملہ افراد کی طرف سے بھی ہو رہا ہے اور علمی واجتماعی تنظیموں کی طرف سے بھی ہو رہا ہے، حکومتیں بھی اس حملہ میں برابر کی شریک ہیں تاکہ یہ شبہ پیدا کیا جا سکے کہ قرآن کریم ایک من گھڑت کتاب ہے۔

یہاں پر مناسب ہوگا کہ ہم قرآن حکیم کی ایک اہم خصوصیت کا تذکرہ کر دیں جو صرف قرآن حکیم کے ساتھ خاص ہے اور وہ یہ ہے کہ آسمانی کتابوں میں قرآن حکیم وہ واحد کتاب ہے جس کے ماننے والوں نے زبانی طور پر اپنے سینوں میں محفوظ کر رکھا ہے یہ وہ واحد کتاب ہے جو مسلمانوں کے درمیان تلاوت اور زبان کے ذریعہ ایک سے دوسرے تک منتقل ہو رہی ہے اور دشمن اس میں تبدیلی و تحریف نہیں کر سکتے۔۔ درحقیقت اللہ تعالی کے اس ایفائے عہد کی ایک جھلک ہے جو اس نے اس آیت میں کیا ہے: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ (سورۃ الحجر:۹) بقیہ ص:۳۰ پر

قصۂ درد سناتے ہیں کہ مجبور ہیں ہم

(برما سے سعودیہ تک)

ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی

برما جو اَب میانمار کہلاتا ہے، کسی زمانے میں اس کی وہی حیثیت تھی جو اس وقت خلیج کی ہے، اس کا ایک صوبہ اراکان ہے جس کو رخائن کہا جاتا ہے، وہاں روہنگیا مسلمان تقریباً ۴ فیصد آباد ہیں، جن کی کل آبادی تقریباً ۲۰ لاکھ ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو عرصۂ دراز سے ستائے ہوئے لوگ ہیں، جنہوں نے بڑے بھیانک قسم کے نسلی تشدد کا سامنا کیا ہے، ۱۹۸۲ء میں نافذ کیے گئے شہریت کے نئے قانون Citizenship Act نے تو ان کی کمر ہی توڑ کر رکھ دی، شاید ہی کوئی صبح ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلی ہو اور کسی شام انھوں نے چین کی نیند لی ہو، کسی دن انھوں نے آسودہ ہو کر کھایا ہے، ان کو شادی کرنے کے لئے بھی حکومت کی اجازت کی ضرورت، بچے پیدا کرنے میں بھی وہ قانون کے پابند، انھیں اپنی حدود اربعہ سے نکلنے کی کوئی اجازت نہیں، ان پر الزام ہے کہ وہ نسلاً برمی نہیں بلکہ بنگالی ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ جس علاقے میں آباد ہیں اس کی سرحدیں بنگلہ دیش سے ملتی ہیں اور روہنگیا مسلمانوں کا ایک طبقہ تہذیبی اور لسانی طور پر بنگلہ زبان و کلچر سے وابستہ ہے، لیکن تحقیق کے مطابق ان کی اکثریت کئی صدیوں سے وہاں آباد ہے۔

ان تمام غیر انسانی پابندیوں اور وحشیانہ سلوک کے باوجود کسی نہ کسی طرح یہ لوگ وہاں زندگی گزار رہے تھے، ۲۰۱۲ء میں اچانک وہاں فساد پھوٹ پڑا، جس کا سبب زنا بالجبر کا ایک واقعہ بتایا جاتا ہے، خدا معلوم کہ اس واقعہ میں کس حد تک سچائی تھی، لیکن اس کے بعد بے بس لوگوں پر جو قہر ٹوٹا ہے اس کی مثال ملنا مشکل ہے، فسادات کی یہ آگ دراصل نسلی تشدد اور سیاسی مفادات کے سبب بھڑکائی گئی جس نے آگے چل کر مذہبی تشدد کا رنگ اختیار کر لیا، سوشل میڈیا پر معتبر ذرائع سے جو رپورٹ اور تصاویر و ویڈیوز آئی ہیں انھیں دیکھ کر بے حس کا کلیجہ بھی منہ کو آتا ہے، یہ الگ بات کہ پاکستان کے کچھ

چندہ مافیاؤں نے ان مظلوموں کی مظلومیت پر بھی ترس نہیں کھایا اور جعلی تصاویر و ویڈیوز بھی خوب اپ لوڈ کیا، جس سے بے چارے روہنگیا مسلمانوں کو ہی نقصان ہوا، خوف و ہراس کے عالم میں جینے والے ان مظلوموں کے لیے گویا عرصۂ حیات تنگ ہے، اراکان کی سرزمین ان کے لیے وادیٔ جہنم بن چکی ہے، زمین اپنی وسعتوں کے باوجود ان پر تنگ کر دی گئی ہے، ہجرت کے راستے بھی ان پر مسدود ہیں، پھر جان بچا کر بھاگنے والوں میں سے کچھ لوگ جن کی تعداد چالیس ہزار بتائی جاتی ہے ہندوستان میں پناہ گزین ہیں، تقریباً تین لاکھ کی تعداد بنگلہ دیش کے سرحدی علاقہ میں کسی مپرسی کے حال میں زندگی گزارنے پر مجبور ہے، کچھ لوگ انڈونیشیا ہجرت کر گئے ہیں، ایک بڑی تعداد کشتیوں کے ذریعہ ہجرت کے دوران اپنی جانیں سمندر کی نذر کر چکی ہے، ہزاروں کی تعداد میں مرد، عورت، بوڑھے اور بچے موت کی نیند سلا دئے گئے ہیں، جنھیں مارا گیا ہے، انھیں صرف مارا نہیں گیا ہے، بلکہ تڑپا تڑپا کر مارا گیا ہے، چھوٹے چھوٹے بچوں کو تڑپا تڑپا کر قتل کیا گیا ہے، پوری پوری بستیاں آگ لگا کر خاک میں ملا دی گئی ہیں، اذیت دینے کا ہر حربہ آزمایا گیا ہے، ایسا لگتا ہے کہ اراکان کی یہ یورش روہنگیا مسلمانوں کی نسل کشی Genocide کے لیے برپا کی گئی ہے، اب تو چوطرفہ یہی بات کہی جا رہی ہے، آج ۱۶ستمبر کے اخبار میں بعض عالمی تنظیموں نے بڑے پیمانے پر روہنگیا خواتین کی عصمت دری پر حیرت کا اظہار کیا ہے، وہاں قتل عام کی ایسی وارداتیں انجام دی گئی ہیں کہ بعض اہل قلم ان وارداتوں کو دیکھ کر سورہ بروج میں ذکر کیے گئے ''اصحاب الاخدود'' کے واقعہ کو ان پر منطبق کرنے لگے، قرآن میں مذکور اصحاب اخدود کا واقعہ دور وحشت میں انجام پایا مگر یہ تو دور ترقی ہے پھر بھی دنیا کی مہذب قومیں اس وحشت و بربریت پر خاموش تماشائی ہیں۔

ایسا لگتا ہے جیسے گوتم بودھ کے پیروکاروں نے اپنا مذہبی نظریہ ہی بدل دیا، جہاں جنگ وجدال کی گنجائش ہی نہیں تھی اور جن کے یہاں دنیا بیزاری مذہبی امتیاز تھا ان کے منہ کو خون ایسا لگا کہ ان کو ٹارچر کرنے، درد سے اٹھنے والی ٹیسیں اور عضو عضو کاٹ کر تڑپانے میں مزا آنے لگا، اس کے پیچھے مذہبی جنون ہے جس نے ان کو اس حد تک پہنچا دیا ہے، درحقیقت انھیں اسلام سے خوف ہوا، پھر ان کو ایک راہب آشن وراتھو نے اکسایا اور اس حد تک اکسایا کہ فوج اور بدھ مت کا نام لینے والے آدم خور بھیڑیوں نے انسانیت کو شرمسار کر دیا اور ظلم کی تمام حدیں پار کر دیں، روہنگیا مسلمانوں کا مسئلہ کب سے چل رہا ہے؟ اصل مسئلہ کیا ہے؟ ظلم اس قدر کیوں کیا گیا؟ حکومت کی سرپرستی، فوج کی

بربریت اور عوام کی ظالمانہ کاروائی سب ایک ہی رجحان کی پابند کیوں ہوگئی؟ یہ اور ایسے متعدد سوالات ہیں جن کے جواب میں بے شمار مضامین لکھے گئے ہیں، یہاں ان تفصیلات سے قطع نظر بعض دوسرے اہم پہلوؤں کی طرف ہم اشارہ کریں گے۔

۲۰۱۲ء میں جب روہنگیا مسلمانوں پر ظلم وتشدد شروع ہوا تو بھی عالمی منظرنامے پر خاموشی نظر آئی، ۲۵؍اگست ۲۰۱۷ء کو جب دوبارہ تشدد کا سلسلہ شروع ہوا تو کچھ اسی طرح کی خاموشی چھائی تھی، مگر پھر کچھ برادران نے پوری قوت کے ساتھ اس مسئلہ کو سوشل میڈیا پر اٹھایا، جس کے نتیجہ میں عالمی پیمانے پر بلاتفریق مذہب وملت علمِ احتجاج بلند ہونے لگا، برما کی وزیر اعظم کو اپنی خاموشی توڑنا پڑی اور شرمناک سہی مگر اس نے ایک بیان دیا، ادھر غیرت اسلامی سے سرشار قائد ملت رجب طیب اردوغان نے عالمی ضمیر کو جھنجوڑ کر رکھ دیا، انھوں نے عالمی برادری کو بھی اپنے بے باک انداز میں مخاطب کیا اور عرب ومسلم حکومتوں کو بھی بیدار کرنے کی کوشش کی، مگر صد حیف کہ غفلت کے مارے بے بس عرب حکمراں کیسے جاگیں گے معلوم نہیں، اردوغان نے ایک ہزار ٹن امدادی سامان بھیجنے کا اعلان کیا، اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں اس مسئلہ کو اٹھانے کا وعدہ کیا، آنگ سانگ سوچی سے فون پر بات کی، ترکی کی امدادی ٹیم کے برما جانے پر گفتگو ہوئی، یہی نہیں بلکہ اپنی بیگم امینہ اردوغان، اپنے صاحبزادے اور ترک سماجی تنظیموں کے وفد اور وزیر خارجہ کو بنگلہ دیش بھیجا، بیگم کے وفد میں کچھ ماہرین نفسیات اور اساتذہ بھی موجود تھے جن کو بنگلہ دیش میں روہنگیا مسلمانوں کے کیمپ کے لیے بھیجا گیا ہے، ترک سماجی تنظیموں نے باقاعدہ وہاں اپنے دفاتر قائم کر لیے، ترک وزیر خارجہ نے بنگلہ حکومت کو یقین دہانی کرائی ہے کہ وہ اپنے ملک کی سرحدوں کو ان بے کسوں کے لیے کھول دے ان کی کفالت کی ذمہ داری مکمل طور پر ترکی اٹھائے گا، بنگلہ دیش بھی مہاجرین کے بوجھ کر برداشت نہیں کرنا چاہتا تھا، اس کی معاشی حالت وہاں کی نکمی حکومتوں کے سبب نہ کبھی مستحکم ہوئی ہے نہ ہونے کی امید ہے، تقریبا تین لاکھ روہنگیا وہاں پہنچ چکے ہیں، ابتدا میں تو انھیں داخل ہونے سے بھی روکا جا رہا تھا، مگر ترکی کی یقین دہانی کے بعد یہ مسئلہ کسی حد تک حل ہوا ہے، مجموعی طور پر بنگلہ دیش میں مختلف قسم کے پناہ گزینوں کی تعداد سات لاکھ بتائی جاتی ہے، ترکی کے اقدام ویقین دہانی اور عالمی پیمانے پر ہونے والے احتجاجی مظاہروں کے سبب اقتدار کی بھوکی، خون کی پیاسی ''بنگالی حسینہ'' بھی یہ کہنے پر مجبور ہوئی کہ جب تک روہنگیا واپس اپنے گھر نہیں چلے جاتے ہم ان کے ساتھ کھڑے ہیں۔

خدا ترکی کے بازؤں کو مضبوط کرے، دور حاضر میں مواسات ومواخات کی جو مثال ترکی نے قائم کی ہے وہ ہمیں ہماری تاریخ یاددلاتی ہے، امینہ اردوغان جب ڈھاکہ انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر اتریں، بنگلہ دیش حکومت کی طرف سے ان کا استقبال کیا گیا اور ان کو استقبالیہ مشروبات پیش کیے گئے انھوں نے کہا کہ وہ پانی روہنگیا پناہ گزینوں کے کیمپ میں ہی جا کر پئیں گی، چنانچہ آنسو پونچھنے والوں کا یہ قافلہ وہاں پہنچا، ایک شفیق ماں کی طرح امینہ اردوغان نے بچوں کو گلے لگایا، لٹے پٹے زخمیوں کی مزاج پرسی کی، بے بسی کی تصویر بن جانے والی عفیف عورتوں کو سینے سے لگایا، ظاہر ہے کہ ان بے یارو مددگار اور بے گھر لوگوں کے پاس نہانے دھونے کی سہولیات کہاں جبکہ انھیں تو کھانا پینا تک میسر نہیں، سفر نے پراگندہ کر رکھا تھا، کیمپوں کی ناگفتہ بہ حالت نے ان کی حالت بگاڑ رکھی تھی، گندے کپڑے، میلے کچیلے جسم، وہاں کے رطوبت آمیز موسم کے سبب پسینے کا بھپکا، مگر یہ سب بھول کر ترک خاتون اول ایک ایک عورت کو سینے سے لگا کر اشک سوئی کر رہی تھی اور حوصلہ بڑھا رہی تھی، ایک خاتون ان ہی میں ذرا پڑھی لکھی تھی، حالات کی ماری تھی مگر اس کی تہذیب اس حالت میں اسے خاتون اول کے قریب جانے سے روک رہی تھی، وہ سوچ رہی تھی کہ ایسی حالت میں وہ کس طرح ان سے بغلگیر ہو، امینہ اردوغان نے بھانپ لیا تو اسے کھینچ کر سینے سے لگایا اور پھر انما المؤمنون اخوۃ کی تشریح کچھ اس خوبصورت انداز سے کی کہ ''اسلامی اخوت کی خوشبو مشک وعنبر کی خوشبو سے بہتر ہے''، ترکی نے ۲۰۱۲ میں بھی اس طرح کے اقدامات کیے تھے اور اب بھی اس نے مثل المومنین فی توادھم وتراحمھم وتعاطفھم کالجسد الواحد اذا اشتکیٰ منه عضو تداعی له سائر الجسد بالسھر والحمیٰ (مسلم ۶/۶۵۸۶) کی مثال پیش کی ہے، اس موقع پر ایک سینیر وباخبر اور حالات پر گہری نظر رکھنے والے ندوی فاضل کی چند سطریں یہاں پیش کرنے کو جی چاہتا ہے، جس کا قصہ یوں ہے کہ ایک تحریر ایم ودود ساجد کی ''خود فریبی کی انتہا'' کے عنوان سے گردش کرتی نظر آئی، جس میں بعض غلط اقدامات پر تنقید تھی، مگر ساتھ ہی اردوغان کا ذکر تضحیک آمیز لہجے میں کیا گیا تھا، میں نے اس پر مختصر تبصرہ ایک حلقہ میں لکھا:

''باتیں تو بہت سی درست ہیں مگر مجھے نہیں معلوم کہ اس شخص کو اس شخصیت سے کیوں چڑ ہے جس کے سینے میں ایک مسلمان دل دھڑکتا ہے۔۔۔۔۔ان کے ایک مضمون میں ترکی میں عربی کے احیاء کی تردید کی گئی تھی اور اس حوالے سے اردوغان

پرسخت اور ذلت آمیز تنقید تھی۔۔ میں نے اس کا تعاقب بھی کیا تھا۔۔۔۔ دیکھیے کس طرح امیر المومنین کہہ کہہ کر طنز وتعریض کے تیر برسا رہا ہے''۔

اس کے جواب میں جناب شکیل احمد اعظمی مقیم بحرین نے یہ سطریں لکھیں جنھیں پڑھ کر آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔

''ایوبی صاحب آپ نے میرے بھی دلی احساسات کی ترجمانی کر دی۔نفرت وعداوت اور حقد وحسد سے آلودہ تحریریں خواہ ان میں فصاحت و بلاغت کی صلاحیتوں کو استعمال کر کے غازہ ملنے اور شیریں بنانے کی کتنی ہی سعی نامراد کر لی جائے بد بو کا بھبھوکا ضرور اٹھتا ہے اور مشام جاں کو زہر آلود کرتا ہے۔ بدقسمتی سے یہ تحریر اسی قسم کی ہے۔آج کے اس ابتلاء وآزمائش کے دور میں وہی مرد حق جو بزدلوں کی بھیڑ میں واحد نڈر قائد ہے، بے حیائی و بے شرمی کے طوفان میں اسلامی شرم وحیا کا پیکر ہے، حمیت وغیرت کا جہاں فقدان ہے وہاں اس نے حقیقی اسلامی غیرت وحمیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے باطل طاقتوں کو تنہا للکارا ہے، جس نے بے حس حکمرانوں کے درمیان سے نکل کر امت مسلمہ کے نہتھے کمزور مظلوم اور بے بس شیوخ و شباب اور کمسن بچوں کی آنکھوں سے آنسو پونچھے ہیں، امت کی مظلوم خواتین ماؤں بہنوں اور بیٹیوں کے سروں پر ہاتھ رکھا۔روہنگیا مظلوموں کا ڈھارس بندھانے کے لئے اپنی بیوی اور بیٹے کو ان کیمپوں میں بھیجا جہاں پر کیچڑ ہے، بد بو ہے، دلخراش مناظر ہیں، کہ ان جگہوں پر سڑے گلے ممالک تک کے ادنی ذمہ داران جانے کے لئے تیار نہیں ہیں وہاں پر آپا امینہ اس طرح اسلامی جذبے سے گئیں کہ دنیا دیکھتی رہ گئی، ایک سراپا شفقت ومحبت ماں بن کر گئیں اور یہ کوئی پہلا اور نرالا واقعہ نہیں ہے ہم بارہا اور متعدد جگہوں پر یہ مناظر دیکھ چکے ہیں۔مگر ہائے رے حاقدوں اور حاسدوں کی کم ظرفی اور ستم ظریفی، بلکہ بے حیائی اور بے شرمی کہ وہی چیز جو قابل تعریف تھی مطعون بن گئی، جو بات سرمایہ افتخار تھی وجہ اہانت و تذلیل بن گئی اور اردوگان کو زہر بھرے انداز میں امیر المومنین اور آپا امینہ کو ان کی بیگم کہا گیا۔ پتہ نہیں کیوں ان بے شرموں کو تکلیف ہے؟ یہ تو امت کے خیر خواہ نہیں ہو سکتے، انہیں تکلیف ہے کہ سب محو خواب ہیں تو ترکی کا مرد آہن جاگ کیوں رہا ہے؟ یہ مردوں میں زندہ کہاں سے نمودار ہو گیا؟۔آخر اردوگان اور دنیا بھر کے مسلمانوں نے کب کسی دوسرے قائد یا سربراہ مملکت کا راستہ روکا ہے۔ یہ تنافس کا میدان تو کھلا ہوا ہے اپنے اپنے محبوب قائدین کو آواز دیجئے کہ آئیں اور امیر المومنین کا خطاب جیتیں۔ ہماری بھی آنکھیں ڈھونڈ رہی ہیں کہ کوئی اور مرد مومن بھی قدم

بڑھائے ہم چشم براہ ہیں ہم انہیں ہاتھوں ہاتھ لیں گے اپنے سروں پر بٹھائیں گے کوئی آئے تو سہی۔اے اللہ تو رجب طیب اردگان کی حفاظت فرما ان کی بیوی بچوں کو صحت وعافیت عطا فرما اور امت کی جو خدمات یہ خاندان آفتاب و ماہتاب انجام دے رہا ہے اسے قبول فرما اور پوری امت کی طرف سے انہیں بھرپور اجر عطا فرما آمین۔شکیل احمد اعظمی''۔

واقعہ یہ ہے کہ اس وقت عالم اسلام میں سے ترکی ہی ہے جو اسلامیت اور اسلامی شناخت حاصل کرنے کی طرف کشاں کشاں رواں دواں ہیں، باقی تو سب بالخصوص سعودیہ وامارات سیکولرزم یعنی لادینیت کو قبول کرنے اور فروغ دینے میں لگے ہوئے ہیں، اسلامیت اور مغربیت کی یہ کشمکش اس وقت شباب پر ہے، فریق اول مغرب اور مغرب نواز لوگوں کے نشانے پر ہے، جبکہ فریق ثانی مغرب کی رضامندی کے فریب میں مبتلا ہے، اور بظاہر شیطان اپنے چیلوں سے راضی بھی ہے، اسلامیت اور شیطنیت کی یہ کشمکش بہت پرانی ہے، چراغ مصطفوی کے وجود سے ہی کفر وشرک کے سینوں میں بھٹیاں سلگنے لگی تھیں۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے ہے شرار بولہبی

لیکن بالآخر عزت ونصرت اور فتح وکامرانی ان ہی کے لیے مقدر ہے جو اسلام کی بالادستی کے خواہاں ہیں، اس کے کے لیے جیتے ہیں، اسی کے لیے مرنے کا عزم رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ اس کی وضاحت فرمادی ہے۔

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ○ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (سورہ صف:۸-۹) (ترجمہ: یہ چاہتے ہیں کہ اپنے منہ سے اللہ کی روشنی کو بجھا دیں اور اللہ تو اپنی روشنی کو پوری کر کے ہی رہے گا، چاہے کافروں کو ناگوار گزرے، وہی خدا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہے، تاکہ اس کو تمام مذاہب پر غالب کر دے اگرچہ شرک کرنے والوں کو برا لگے)۔اور فرمایا ہے: يَقُولُونَ لَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ (سورہ منافقون:۸) (ترجمہ: وہ کہتے ہیں اگر ہم لوٹ کر مدینہ گئے تو ضرور عزت والا وہاں سے ذلت والے

کو نکال باہر کر دے گا، حالانکہ عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں کو حاصل ہے، لیکن منافقین سمجھتے نہیں ہیں)۔

روہنگیوں کے ساتھ ظلم کی ایک وجہ تو وہ ہے کہ ان کو وہ بنگالی سمجھ کر وہاں رہنے نہیں دینا چاہتے، دوسرا الزام ان پر یہ لگاتے ہیں کہ انھوں نے مسلح جدوجہد کی ہے اور مسلح تحریک چھیڑی ہے، دنیا کی تاریخ میں جب کبھی ظلم کا گھناؤنا کھیل کھیلا گیا تو تاریخ کی شہادت ہے کہ کچھ جیالوں نے مقابلے کے لیے ضرور کمر کس لی اور یہ ٹھان لیا کہ مرنا ہے تو لڑکر مریں گے، روہنگیا مسلمانوں میں بھی بعض حوصلہ مند لوگ ظلم کے مقابلے کے لیے کھڑے ہوگئے، ان کی تحریک کا نام (ARSA) ہے، یعنی Arakan Rohingya Salvation Army، ۱۹۴۸ سے اب تک روہنگیا پر وقتاً فوقتاً جو مظالم ڈھائے گئے ان پر کسی کو کوئی پریشانی نہ ہوئی، ۲۰۱۲ء کی پرتشدد کارروائیوں اور دل دہلانے والی وارداتوں نے بھی کسی کو نہ تڑپایا، مگر ہائے رے مہذب دنیا کی بے رحمی کہ اس مزاحمتی تنظیم کی دفاعی اور برائے نام کارروائیوں کو دہشت گردی کا نام دے دیا، ۲۵ اگست کو پیش آنے والی ان کی ایک کارروائی کو قتل عام اور بہیمانہ انداز سے نسل کشی کے لیے وجہ جواز بنا کر پیش کیا گیا، **آج کی دنیا میں ظالم کو ظلم کرنے کی کھلی آزادی ہے مگر مظلوم کے لیے تڑپنے کی گنجائش بھی نہیں، ظالم مغربی دنیا نے آج تک دہشت گردی کے اسباب جاننے کی کوشش نہیں کی، اور کیوں کرتی؟ کہ وہ تو خود دہشت گرد اور دہشت گردوں کی سرپرست ہے، اس کی دھشت گردی امن وسلامتی کے قیام کے نام پر جاری ہے، البتہ بنیادی حقوقِ شہریت محروم، فقروفاقے کے مارے، اور انواع واقسام کے مظالم سہنے والے اگر کہیں اپنے دفاع میں اتر آئیں یا ظلم کے آگے سینہ سپر ہوجائیں تو ان کو دہشت گرد قرار دے دیا جاتا ہے۔**

طُرفہ یہ ہے کہ تشدد زدہ ان علاقوں میں صحافیوں کو جانے کی اجازت نہیں، خیر سے اگر کسی کو اجازت دی جاتی ہے تو اسے ایسی پُرفریب تصویریں دکھائی جاتی ہیں اور جھوٹے لوگوں سے ملایا جاتا ہے کہ اگر واقعی حقیقت حال جاننے کا جذبہ نہ ہو تو آدمی روہنگیوں کو ظالم سمجھ کر واپس ہوجائے، آپ کو اس کی مثال سوشل میڈیا پر روہنگیا مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے والوں کے ذریعہ اپ لوڈ کی گئی تصویروں سے مل جائے گی، ہمارے ملک کی حکمراں جماعت سے متعلق افراد ہندستان میں پناہ گزیں روہنگیوں کو واپس بھیجنا چاہتے ہیں اور یہی منشا حکومت کی ہے، اس پر مختلف حلقوں کی طرف سے احتجاج کیا گیا تو بھکتوں نے رائے عامہ ہموار کرنے کے لئے یہ مہم بھی چھیڑ دی کہ وہ جعلی تصویریں

اور ویڈیوز کے ذریعہ روہنگیوں کو دھشت گرد بتانے لگے اور انتہا پسند بودھ تنظیم Association for the protection of the race and religion کے بھیڑیوں اور چیتوں کو مظلوم بتانے لگے، ان کی بہیمانہ کارروائیوں کا فاعل مظلوم روہنگیوں کو قرار دے دیا، بہر حال ہمارے ملک کے پاس یہ عذر ہے کہ اس نے اقوام متحدہ کے رفیوجی ایکٹ ۱۹۵۱ پر دستخط نہیں کیا ہے، مگر صرف اس کے سبب وہ ان مظلوموں کو پناہ دینے سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا، بھلا ہو پرشانت بھوشن کا جو ہمیشہ حق وانصاف کی لڑائی پوری قوت سے لڑتے رہے ہیں، دو روہنگیا مسلمانوں کی طرف سے انھوں نے سپریم کورٹ میں مقدمہ دائر کیا ہے جس پر سماعت بھی ہو رہی ہے، ایسے ہی ایک مقدمہ میں سپریم کورٹ کے ایک مثبت فیصلے کی نظیر بھی موجود ہے، بہر حال دوسری بات یہ کہی جاتی ہے کہ روہنگیا مسلم اپنی ہر چیز پر ۷۸۶ لکھتے تھے، (جس کا لکھنا بہر حال جہالت ہے) بدھوں نے اس کو جوڑ کر اس کا مطلب ۲۱ نکالا اور پھر ''اسلاموفوبیا'' یعنی غلبۂ اسلام کے خوف نے انھیں آشن وراتھو کی زبانی یہ سمجھایا کہ ۲۰۲۱ میں اس ریاست پر مسلمانوں کا غلبہ ہوگا، جو محض افسانوی خیال تھا، اس کے مقابلے میں انھوں نے ۹۹۶ کا عدد استعمال کرنا شروع کیا جس کو بدھ مت میں خاص اہمیت حاصل ہے اور اس کے ساتھ ساتھ قانونی بندشیں شروع ہوئیں، فوجی کارروائیاں ہوئیں اور اب تو فوج، پولیس، حکومتی مشنری اور سول سوسائٹی یعنی سب کی جانب سے مجموعی طور پر ان بے چاروں کو تہہ تیغ کرنے کی مہم جاری ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اس پر تشدد کارروائی کے پیچھے ملکی اور بین الاقوامی دونوں طرح کی سیاست کارفرما ہے، رخائن اور بنگال کی کھاڑی کا یہ علاقہ قدرتی گیسوں Natural Gases سے مالا مال ہے، امریکہ نے انوسٹ کرنے کے لیے یہ شرط لگا رکھی ہے کہ اس علاقے کو مکمل طور پر خالی کرا کر دیا جائے تب وہ سرمایہ کاری (Investment) کرے گا، اس کے ساتھ ساتھ امریکہ اور اس کے حلیف چین کی بڑھتی ہوئی طاقت کو کمزور کرنے کے لئے بھی برما کو اپنا اڈہ بنانا چاہتے ہیں اور اس کے لئے وہ چین کو وہاں سے مکمل طور پر لاتعلق کر دینا چاہتے ہیں، <u>امریکہ اور اس کی حلیف طاقتوں نے یہ پالیسی Strategy بھی بنا رکھی ہے کہ ظلم وتشدد کے ذریعہ ملکوں کو تاراج کیا جائے اور لوگوں کی ہجرت بالخصوص ان ممالک کی طرف کرائی جائے جن کو کچھ نہ کچھ معاشی استحکام حاصل ہو، تا کہ ان کی معاشی حالت کمزور ہوتی جائے اور ان کی کمر توڑ دی جائے، ظاہر ہے ترقی یافتہ ملک کی ایک بنیادی علامت اس کا معاشی استحکام اور اس کی مضبوط معیشت ہے، ترکی نے معاشی استحکام کی دوڑ میں بہت لمبی</u>

جست لگائی تھی، لیکن شام کے المیہ کے بعد اس کی معیشت پر کیا اثر پڑا ہے آپ اعداد وشمار سے اس کا اندازہ کر سکتے ہیں، آن ریکارڈ ترکی تیس لاکھ شامی مہاجرین کی میز بانی کر رہا ہے اور اب بنگلہ دیش میں موجود برمی مہاجرین کا بھی کفیل بن گیا ہے، فسلطینیوں کے تئیں اس کی حمایت وہمدردی پہلے سے جاری ہے، ملکی سطح کی سیاست اس واقعہ پر یوں ہو رہی ہے کہ آنگ سانگ سوچی کو مسلمانوں کی حمایت حاصل رہی تھی، وہاں کے دیگر عوام کی طرح مسلمانوں نے بھی اس سے امید لگائی تھی اور فوج کے مقابلے جمہوریت کی امید میں مسلمانوں نے اجتماعی طور پر اس کو ووٹ دیا تھا جبکہ روہنگیا تو پہلے سے ہی ووٹ دینے کے حق سے محروم کر دیے گئے تھے، اس المیہ کے ذریعہ ان مسلمانوں کی کمر توڑ دی گئی، ان کو کسی حمایت کے قابل ہی نہیں چھوڑا گیا، سوچی کو ایسے دوراہے پر کھڑا کر دیا گیا کہ وہ ایک بیان دینے کے قابل نہ رہی، وہ بولے یا خاموش رہے بہرصورت یہ پیغام گیا کہ اس کے مقابلے فوج بہتر تھی، اس طرح تشدد کے ذریعہ کئی مقاصد پورے کیے جا رہے ہیں، ہمارا مضحکہ خیز حال یہ ہے کہ جو خون چوس رہے ہیں جو ظلم کے رسیا بن چکے ہیں ہم ان ہی کی طرف ٹکٹکی لگائے دیکھ رہے ہیں اور ان ہی سے رحم کی بھیک مانگ رہے ہیں۔

ہمارے سامنے ایک سوال ہے، جب یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ روہنگیا قضیہ قدیم ہے، یہ کوئی ابھی سال دو سال کی پیداوار نہیں تو پھر اس کو عالم اسلام نے حل کیوں نہیں کیا، جواب میں لوگ عالمی قانون کا حوالہ دیں گے، کہ ہر ریاست خود مختار ہوتی ہے، کسی کی داخلی خود مختاری میں کسی کو مداخلت کا کوئی حق نہیں ہے، لیکن جب سے ہوش سنبھالا یہی دیکھتے آئے ہیں کہ یہ قانون کمزوروں کے لیے ہے، طاقتور تو جب جہاں چاہتے ہیں وہاں مداخلت کرتے ہیں، افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم جب بات کرتے ہیں تو ہم پر سیکولرزم کا بھوت سوار ہوتا ہے، جبکہ اغیار مذہبی جنون کے ہتھیار سے ہمہ وقت اور ہر آن سیکولرزم کا خون کرتے ہیں، ہمیں یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ عالمی قانون ہو یا اقوام متحدہ دونوں ہی ویٹو پاور رکھنے والوں کی داشتہ ہیں، اس سے زیادہ ان کی کوئی حیثیت نہیں، مسلم ممالک میں جاری کشت وخون نے یہ قضیہ صاف کر دیا ہے کہ یہود ونصاری اسلام کو مغلوب کرنے کے لئے چوطرفہ ہلہ بول چکے ہیں، صورت حال وہ نظر آرہی ہے جس کی پیشن گوئی حدیث شریف میں یوں کی گئی ہے: ''

عن ثوبان مولى رسول اللهؐ قال،قال رسول الله ﷺ: "يوشك أن تداعىٰ عليكم الأمم من كل افق كما تداعى الأكلة على قصعتها" قال: قلنا: يا رسول الله أمن

قلة بنا يومئذ؟ قال: "أنتم يومئذ كثير، ولكن تكونون غثاءً كغثاء السيل تنتزع المهابة من قلوب عدوكم، ويجعل فى قلوبكم الوهن، قال: قلنا: وما الوهن؟ قال: "حب الدنيا، وكراهية الموت"(رواہ احمد ۳۷/۷ ۲۲۳۹۷)

''حضرت ثوبان سے روایت ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے ارشاد فرمایا: کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ چہار جانب سے قومیں تم پر اس طرح ٹوٹ پڑیں گے جس طرح کھانے والے پیالہ پر ٹوٹ پڑتے ہیں، روای کہتے ہیں ہم نے کہا، اے اللہ کے رسولؐ کیا اس وقت ہماری تعداد کم ہوگی؟ آپؐ نے فرمایا: تعداد تو بہت ہوگی لیکن تمہاری حیثیت سمندر کی جھاگ کی مانند ہوگی، دشمن کے دل سے تمہارا رعب نکل جائے گا، اور تمہارے دلوں میں وھن پیدا ہو جائے گا، راوی کہتے ہیں، ہم نے کہا: وھن کیا ہے، آپؐ نے فرمایا: دنیا کی چاہت اور موت سے نفرت''۔

جس عالمی قانون کا حوالہ دیا جاتا ہے اور جس اقوام متحدہ کو سہارا سمجھا جاتا ہے اس قانون کے وضع کرنے والے اور اس کے ٹھیکدار کے مذہب میں ہمیشہ قانون کے دو پیمانے رہے ہیں، وہ امیر و طاقتور اور غریب و کمزور کے لئے ہمیشہ الگ الگ قانون نافذ کرتے رہے ہیں، بلکہ ان کی مقدس کتابوں میں تحریف کی یہ بھی ایک شکل رہی ہے، اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس وقت کی یہ ''مہذب'' دنیا صرف طاقتوروں کی سنتی ہے، بلکہ ماضی میں بھی یہ لوگ صرف اور صرف طاقت کی زبان سمجھتے رہے ہیں، جب عالم اسلام طاقتور ہوگا تو عالمی قانون بھی اس کا حمایتی ہوگا اور اقوام متحدہ بھی اس کی چوکیداری کرے گی، جو طاقتور ہوتا ہے دنیا اس کو سجدہ کرتی ہے، جو ایجادات کا امام ہوتا ہے دنیا اس کی غلامی کرتی ہے۔

بدقسمتی سے خلافت عثمانیہ کے حصے بخرے کرنے والوں میں جو لوگ پیش پیش رہے اور جن کا مرکزی کردار رہا ان ہی کو عرصہ سے ملت اسلامیہ کا مرکزی قائد تصور کیا گیا، مگر ان کو کبھی نہ اعداد قوت کی فکر ہوئی اور نہ صنعتی انقلاب میں قائدانہ کردار کی سوجھی، وہ تو کھانے کی میز سے پاخانے کی کرسی تک استعمال ہونے والی تمام اشیاء کے امریکی، برطانوی اور جاپانی ہونے پر ہی باہم فخر ومباہات میں مبتلا ہو گئے، امت کے ذہین افراد صورت حال کو بھانپ گئے تھے، بالخصوص جنھیں فراست ایمانی ملی تھی انھوں نے بہت پہلے متنبہ کر دیا تھا، دیکھنا ہو تو دیکھیے کس طرح حضرت مولانا علی میاںؒ نے ماذا خسر العالم میں صنعت ومعیشت اور اعداد وقوت کی طرف متوجہ کیا ہے، مگر اب تو وہ بھی زد پر ہیں اور ان کا

لٹریچر بھی، یہ کام تنہا مولانا نے ہی نہیں انجام دیا بلکہ اس کی طرف توجہ دلانے والے مفکرین میں امام حسن البنا، سید قطب، ڈاکٹر سعید رمضان، محمد الغزالی اور مولانا مودودی وغیرھم شامل ہیں، ملت کے ان قائدین یعنی عرب حکمرانوں نے پورے طور پر یہود ونصاریٰ کا غلبہ قبول کرلیا، یہ ان ہی کو اپنے لیے نجات دہندہ سمجھنے لگے جن کے متعلق قرآن کے صریح ارشادات موجود ہیں کہ نہ ان سے دل لگایا جا سکتا ہے، اور نہ انھیں اپنے راز دیے جاسکتے ہیں، نہ انھیں اپنا یار و مددگار بنایا جاسکتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا (سورہ نساء:۸۹) (ترجمہ: لہٰذا تم ان میں سے کسی کو نہ تو دوست بناؤ اور نہ ہی مددگار)۔ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ (سورہ مائدہ:۵۱) (ترجمہ: اے ایمان والو ان یہود ونصاریٰ کو دوست نہ بناؤ)۔ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوْا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ (سورہ مائدہ:۵۷) (ترجمہ: اے ایمان والو جن لوگوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے، یعنی تم سے پہلے کے اہل کتاب اور ایمان نہ لانے والے، ان کو دوست نہ بناؤ)۔

ایک موقع پر رسول کریم ﷺ سے انصار صحابہ نے مشرکین کے خلاف یہود سے مدد لینے کی اجازت طلب کی تو رسالت مآبؐ نے فرمایا تھا یہ خبیث لوگ ہیں ان کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں، تفسیر مظہری میں یہ الفاظ ہیں ''الخبیث لا حاجۃ لنا بھم'' (ج۲ص۳۹۵، زکریا بکڈ پو، دیوبند) جبکہ البدایہ والنہایہ میں ہے کہ و ذكر الزهرى أن الانصار استاذنوا حينئذ رسول اللهؐ فى الاستعانة بحلفائهم من يهود المدينة فقال "لا حاجة لنا بهم (البداية والنهاية ج٣ ص١١٢ المكتبة التوفيقية، مصر) اب تو حالت بایں جا رسید کہ ایک ترکی جس نے رفتہ رفتہ بڑی حکمت سے صنعتی دھارے میں اپنی حیثیت تسلیم کرائی، اپنی معیشت کو اپنے پیروں پر کھڑا کیا، حصولِ طاقت کو اپنا ہدف بنایا، اس لائق ہوا کہ اقوام متحدہ کی بے انصافیوں پر علمِ احتجاج بلند کر سکے، تو مغرب کے یہ گماشتے مغرب و امریکہ کے اشارے پر اس کی جان کے دشمن بن گئے، اس کی جڑیں کھودنے لگے، اماراتی سفیر کے ای میل سے جس گھناؤنی سازش کا پردہ فاش ہوا اس کے سبب ان جبہ پوشوں سے گھن آنے لگی، عرصہ سے عالم اسلام اسی انتشار اور حکمرانوں کے نشۂ اقتدار کی بدمستی کے سبب آپسی رسہ کشی کا شکار ہے، جس کا نتیجہ ہے کہ خون مسلم کی ارزانی ہے۔

کاش عالم اسلام طاقتور ہوتا تو برمی حکومت کی کیا مجال تھی کہ وہ ظلم و بربریت کے اس ننگے ناچ کو بند نہ کرتی۔ پاکستان کے ایک ماہنامہ ''نقیب ختم نبوت'' نے ستمبر ۱۷ء کے شمارے میں سید شہاب الدین شاہ کا ایک مضمون ''روہنگیا مسلمان مظلومیت کے تناظر میں'' شائع کیا ہے، مضمون نگار نے جنرل ایوب کا ایک بیان نقل کیا ہے، جس سے ہمارے نظریہ کی تائید ہوتی ہے، اس بیان کی صحت وسند پر بحث سے قطع نظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس وقت اور آج کے حالات میں بہت فرق ہے، مگر کیا یہ سچ نہیں کہ ''مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی، اور کیا اسلام نے رعب و دبدبہ کی تیاری کا حکم نہیں دیا، مضمون نگار لکھتا ہے:

> ''پاکستانی صدر جنرل محمد ایوب خان کے دور میں جب برمی حکومت نے اراکانی مسلمانوں کو ستانا اور تنگ کرنا شروع کر دیا تو پاکستانی صدر نے یہ بیان جاری کیا کہ ''کیا برمی حکومت یہ پسند کرے گی کہ پاکستانی فوج صبح ڈھاکہ سے روانہ ہو اور شام تک رنگون (برما کا دارالحکومت) پہنچ جائے''، اس بیان کی وجہ سے جب تک ایوب خاں صدارت پر رہے تب تک اراکانی مسلمان برما کے مظالم سے محفوظ رہے اسی لیے آج بھی اراکانی مسلمان جنرل محمد ایوب خان کے لیے دعائیں کرتے ہیں، (ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان ستمبر ۲۰۱۷، جلد ۲۸، شمارہ ۹)۔

<u>مگر آج تو ہم بس اسی تمنا پر اکتفا کرتے ہیں کہ کاش مسلم ممالک ترکی کی جرأت گفتار پر اس کے حامی ہی ہو جاتے تو بھی صورت حال کچھ اور ہوتی، لیکن جہاں ظلم کے ڈرامے میں مغربی آقاؤں کا کردار ہو وہاں عرب غلام کیوں کر لبوں کو جنبش دیں گے، جنھوں نے قطر پر دہشت گردی کا الزام دھر کے اس کا بائیکاٹ کیا ان کی یہ حالت ہے کہ برما میں دہشت گردی انتہا کو پہنچ گئی اور احتجاج تک نہ درج کرا سکے۔ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔ اس پر طرفہ تماشہ یہ ہے کہ ترکی کے اقدامات کو سعودی حمایتی اور پروپیگنڈہ ماسٹر شاہ صاحب کی طرف پوری بے شرمی سے منسوب کرنے لگے، یہاں تک جھوٹ بولا۔ ظاہر ہے جھوٹ کے پر تو ہوتے نہیں، جتنی چاہیں بے پر کی اڑائیں۔ کہ سعودیہ نے دس لاکھ برمیوں کو شہریت دے دی، واقعہ ہے کہ سعودیہ میں برمی مسلمان موجود ہیں مگر وہ چالیس پچاس سال پہلے سے ہیں، سعودیہ میں اب کسی کو شہریت نہیں ملتی، شاہ فیصل کے ساتھ حصولِ شہریت بھی تقریبا ختم ہوگئی، اب خال خال کسی کو سعودی حکومت شہریت دیتی ہے، یہ سختی شاہ فہد کے دور سے ہی شروع</u>

ہوگئی تھی، ایسا ہی جھوٹ محاصرۂ اقصیٰ کے خاتمہ پر جب فلسطینی جیالے فتح کا جشن منا رہے تھے تو بھی بولا گیا تھا کہ شاہ صاحب کی مداخلت اور بات چیت سے مسئلہ حل ہوا ہے، اب تو شاہ صاحب کو ان قضایا سے کوئی مطلب ہی نہیں کہ وہ تو خادم الحرمین ہیں اور دین بھی حرمین تک محدود ہے، یہ سارے مسائل نہ حرمین سے متعلق ہیں اور نہ ان لوگوں کے نقطۂ نظر سے دین سے تعلق رکھتے ہیں، یہ سب ''رئیس الدولۃ'' کے دائرہ اختیار کے امور ہیں، ''رئیس الدولہ کا لقب دیا گیا ہے ولی عہد محمد بن سلمان کو جو بہت برق رفتاری سے سعودیہ کو سیکولر اسٹیٹ میں تبدیل کر رہے ہیں اور یہود ونصاریٰ کے تمام پروجیکٹس کو عملی جامہ پہنا رہے ہیں، جو سلطان کے مدح سرا ہیں سلطانی قہر وجبروت سے خائف ہیں وہ سعودیہ کی لادینی حیثیت سے راضی ہیں، اور جن سے طاغوتی طاقتوں کو امید ہے کہ وہ سپر نہ ڈالیں گے ان کو پابند سلاسل کیا جا رہا ہے۔

ہم نے ایک روز جبکہ پورا سوشل میڈیا برمی مسلمانوں کے مظلومین کے لیے سراپا احتجاج بنا ہوا تھا یہ لکھا تھا:

> ''برما میں ہونے والی نسل کشی سے زیادہ خطرناک سعودیہ وامارات میں ہونے والی اسلام کشی ہے، علمائے حق کی گرفتاریوں کا سلسلہ جاری ہے، شیخ سلمان العودہ اور عوض القرنی سمیت سینکڑوں علماء گرفتار کیے جا چکے ہیں، اب تک قید وبند میں جانے والے علماء کی تعداد ۸۰ ہزار تک پہنچ چکی ہے، یہ فکر اسلامی اور زندہ ضمیری کو قتل کرنے کی گھناؤنی سازش ہے''

ظاہر ہے میں نے جو کچھ لکھا تھا بہت سوچ سمجھ کر لکھا تھا، سعودیہ اب جو کچھ کھل کے کر رہا ہے پہلے ذرا خفیہ طریقے سے کرتا آیا ہے، مصر وشام میں اسی کے کردار سے اہل اسلام نہ صرف ناکام ہوئے بلکہ ان مظالم کا شکار ہوئے جنھیں دیکھ کر چنگیز وہلاکو کانپ جاتے۔ اس سے پہلے عراق میں جو کھیل کھیلا گیا وہ کس سے ڈھکا چھپا ہے، ملت کی ماؤں بہنوں اور بیٹیوں کی کس طرح امریکیوں نے اور شیعہ ملیشیاؤں نے عصمت دری کی ہے کیسے بتائیں ہم، لاکھوں اہل سنت عراق میں مارے گئے اور صدام کے مرتے ہی شیعہ طاقتیں بے لگام ہوگئیں، جاننے والے سقوط بغداد میں بھی سعودیہ کے گھناؤنے کردار سے واقف ہیں۔ شامی مسلمانوں پر جو قہر ٹوٹا ہے وہ یقیناً قیامت سے کم نہیں، اہل برما مظلوم ہیں اور ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں مگر حجاز سے دین اسلام کو دیس نکالا دیا جا رہا ہے، علماء وعالمات اور فکر اسلامی

کے حاملین کو دہشت گرد قرار دیا جا رہا ہے، جب ایمان ہی داؤ پر لگ جائے تو جان کی کیا قیمت؟ **برما میں یقیناً اسلام دشمنی قتل عام کا سبب ہے، لیکن قاتل وہ ہے جس سے کوئی شکوہ ہی نہیں، وہاں تو اسلام کے قاتل، اقدار پر ڈاکہ ڈالنے والے، معصوموں، روزہ داروں نمازیوں اور ڈاڑھی رکھنے والوں کے قاتل غلاف کعبہ میں لپٹے ہوئے ہیں، ان ہی کی عیاشیوں کی ضمانت کے وعدے پر جزیرۃ العرب تاراج ہو رہا ہے، اور تہذیب اسلامی کا صفایا کر کے تمدنِ یہود و نصاریٰ کی جلوہ نمائی ہو رہی ہے۔**

مسلم ممالک کی جابرانہ سیاست اور مستبدانہ پالیسیوں کے سامنے وہاں کے علماء اور دانشوران مجبور ہو چکے ہیں، اب تو صورت حال یہ ہے کہ خاموشی پر بھی سزا دی جاری ہے، مشہور ترین داعی و عالم دین شیخ سلمان العودہ سمیت ۲۰ علماء کو محض اس لیے گرفتار کیا گیا کہ انھوں نے قطر کے تئیں حکومت کے موقف کی تائید نہیں کی بلکہ انھوں نے اتحاد بین المسلمین کی دعا کی، خلیجی اخبارات نے ان مخلص علماء کو دہشت گرد لکھا اور وہاں کا میڈیا عرصہ سے دین پسندوں اور دینداروں کو ''ارہابی'' لکھ رہا ہے، وہاں کی صورت حال اب یہ ہے کہ لب کھلیں تو آقا کی مدح سرائی میں ورنہ خاموشی بھی جرم ہے، گزشتہ سال پروفیسر محسن عثمانی صاحب نے بڑے کرب کے ساتھ ایک مضمون لکھا تھا ''وہ بات خطبۂ عرفات میں جس کا ذکر نہ تھا''، معلوم نہیں اس مرتبہ انھوں نے خطبہ سنا کہ نہیں، **خطبۂ عرفات میں امام صاحب نے ارشاد فرمایا تقربوا الله بالدعاء لحكام آل سعود، حکام سعودیہ کے لیے دعا کر کے اللہ کا قرب حاصل کرو، میدان عرفات میں جمع مسلمانوں کے اتنے بڑے اجتماع کو یہ پیغام دیا گیا، خدا بھلا کرے ان مخلصین کا جواب بھی سود و زیاں سے بے خبر کلمۂ حق بلند کر رہے۔**

برما کی صورت حال وہ تھی جس پر مسلم حکمرانوں سے قرآن کا یہ خطاب سو فیصد منطبق ہوتا ہے۔ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَل لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَل لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيْرًا (سورہ نساء:۷۵) مگر یہ بے چارے یہ کام نہیں کر سکتے کیوں کہ وہ مجبور و لاچار، بے بس اور بے سروساماں ہیں، ان کو جو ہتھیار دیے جاتے ہیں وہ اس شرط پر کہ ان سے اپنے ہی بھائیوں کا خون بہایا جائے، افسوس تو اس پر ہے کہ عرب کے پٹھو نہ خود کچھ کرنے پر تیار ہیں اور نہ کرنے والوں کی پشت پناہی پر آمادہ، نفاق کی ساری حدیں انھوں نے پار کر لی ہیں، وہ اس وقت تک قرآن کی مطلوب اس پوزیشن میں نہیں ہوں گے، جب تک آزاد قلم اور آزاد

زبانیں موقع کو غنیمت جان کر ان کا احتساب نہیں کریں گی اور ان کو صحیح راہ نہیں دکھائیں گی، تب تک ہر سال ایک نیا خونی کھیل کھیلا جاتا رہے گا، اس کا اسٹیج خواہ برما ہو یا شام یا عراق یا کوئی اور مسلم آبادی والا ملک، امداد کی اپیلوں احتجاجی مظاہروں اور دعاؤں سے کائنات کا نظام نہیں چلتا، کائنات کا نظام کچھ اور ہے جس کی بابت ارشاد ہے ولن تجد لسنة الله تبديلا اور ولن تجد لسنة الله تحويلا ، جس کی عملی مثال نبی اکرم کی سیرت میں موجود ہے، اگر دعاؤں پر دنیا کا نظام اللہ تعالیٰ چلاتے تو پھر دعا نبی کریمؐ مدینہ میں بیٹھ کر مانگتے، میدان جنگ میں جا کر نہ مانگتے، آج آنسوؤں کا سیلاب ہے، خون کی ندیاں ہیں، حرمین شریفین کے ساتھ ساتھ دنیا بھر میں دعائیں کی جاتی ہیں، لیکن بقول مولانا آزاد:

> ''دعائیں ضرور فائدہ پہنچاتی ہیں مگر ان ہی کو جو عزم و ہمت رکھتے ہیں، وسائل بہم پہنچاتے ہیں، اور ان کا بہترین استعمال کرتے ہیں، بے ہمتوں کے لیے دعا ترکِ عمل اور تعطلِ قویٰ کا حیلہ ہوتی ہے''۔

اقبال نے کہا تھا ؎

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

اس وقت برمی مسلمانوں اور ایسے تمام مظلوموں کے لیے جو بَن پڑے وہ کرنا چاہیے، اچھی بات ہے کہ لوگ بیدار ہوئے، بڑے پیمانے پر مظاہرے ہو رہے ہیں، امدادی ٹیمیں بھی اپنے کام پر لگ گئی ہیں، **سرِ دست ہمیں بھی اپنے ملک میں اپنے نزدیک موجود روہنگیا پناہ گزینوں کے رہنے اور کھانے کے انتظامات میں حصہ دینا چاہیے۔** پاکستان کے بیرسٹر اقبال جعفری آنگ سانگ سوچی اور آشن وراتھو پر عالمی عدالت انصاف میں فوجداری کا مقدمہ قائم کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں، لیکن یہ سب جزءوقتی حل ہیں، اگر ایسے ہی لوگ ہجرتیں کرتے رہے، اور ایسے ہی کبھی کوئی کبھی کوئی علاقہ خالی کرایا جاتا رہا تو اس سے مسائل بڑھیں گے، مسائل کا خاتمہ نہ ہوگا، **اس کے دائمی حل کے لیے ضروری ہے کہ عالمی پیمانے پر علماء و دانشوران اپنے مفادات سے بالا ہو کر عالم اسلام کے ضمیر کو بیدار کرنے، اسے جھنجھوڑنے کا فریضہ انجام دیں،** اگر اب بھی یہ کام نہ کیا گیا تو جو جو ہم لکھتے اور دیکھتے آئے ہیں، رفتہ رفتہ ان حالات کا مشاہدہ دنیا کر رہی ہے، تیسری جنگ عظیم کے متعلق بہت پہلے سے دنیا بھر کے

اسکالرز پیشین گوئیاں کر رہے ہیں، بلکہ موجودہ وقت میں اگر متعدد تحریروں پر اعتماد کیا جائے تو پنٹا گن میں جنگ عظیم کے بعد پیدا ہونے والے انسانی بحران Human crisis پر قابو پانے سے متعلق بحثیں ہو رہی ہیں، مگر افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ پہلی دونوں جنگ عظیم یورپ کی سرزمین پر ان ہی کے مابین لڑی گئیں، اگر چہ اس میں مسلمانوں کا شدید ترین نقصان ہوا اور مسلمانوں کی طاقت بکھیر کر رکھ دی گئی، چھوٹی چھوٹی جاگیروں میں تقسیم کر کے عالم اسلام کو بے حیثیت کر دیا گیا اور مزید تقسیم کے لیے امریکہ بہادر شطرنج کی چالیں چل رہا ہے، آج کل ''کرد ریاست'' کی تشکیل سے متعلق خبریں گرم ہیں، لیکن یہ تیسری جنگ مشرق وسطیٰ Middle east میں مسلمانوں کے درمیان لڑی جائے گی، سعودی عرب کا رویہ، امریکہ کی بے لگام تانا شاہی، ترکی، ایران، روس اور قطر کا بظاہر بنتا ہوا محاذ کسی خطرناک نتیجہ پر ہی منتج ہوگا، ماہرین کا کہنا ہے کہ اگر سعودی و اماراتی بے راہ روی ختم نہ ہوئی اور ان کی سیاست اسرائیل سے ہی کنٹرول ہوتی رہی، اور موجودہ خلیجی بحران پر قابو نہ پایا گیا، اور قابو نہ پانے کی صورت میں ترکی، قطر اور ایران و روس کا محاذ بن گیا تو پھر جنگ کے سوا کوئی چارہ نہ رہے گا، اللہ عالم اسلام کی ہر شر سے حفاظت فرمائے اور حالات کا رخ بدلنے والے افراد کے ہاتھ مضبوط کر دے وھو الموفق والمستعان،

☆☆☆☆☆

بقیہ ص:۲۷ کا

اس کے یہ معنی نہیں کہ شمسی حساب رکھنا یا استعمال کرنا ناجائز ہے، بلکہ اس کا اختیار ہے کہ کوئی شخص نماز، روزہ، زکوٰۃ اور عدت کے معاملہ میں تو قمری حساب شریعت کے مطابق استعمال کرے، مگر اپنے کاروبار تجارت وغیرہ میں شمسی استعمال کرے۔ شرط یہ ہے کہ مجموعی طور پر مسلمانوں میں قمری حساب جاری رہے، تاکہ رمضان اور حج وغیرہ کے اوقات معلوم ہوتے رہیں، ایسا نہ ہو کہ اسے جنوری فروری کے سوا کوئی مہینے ہی معلوم نہ ہوں، فقہا نے قمری حساب باقی رکھنے کو مسلمانوں کے ذمہ فرض کفایہ قرار دیا ہے۔ ہاں ! اس میں شبہ نہیں ہے کہ سنت انبیا اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین میں قمری حساب استعمال کیا گیا ہے، اس کا اتباع موجب برکت وثواب ہے اور شمسی حساب سے بھی اسلام منع نہیں کرتا۔

☆☆☆☆☆

بلند اخلاق، علامتِ ایمان

مولانا سیّد عزیز الرحمٰن صاحب
نائب مدیر ''السیرۃ'' عالمی، ششماہی، کراچی

ایمان کسی بھی مسلمان سے اسلام کا پہلا مطالبہ ہے، پھر ایمان کی شاخیں گنوائی جاسکتی ہیں، ایمان میں کمی یا زیادتی کی بحث کی جاسکتی ہے، ایمان کی ماہیت اور حقیقت کے بارے میں فلسفیانہ، متکلمانہ، صوفیانہ اور فقہی اسلوب میں گفتگو ہوسکتی ہے۔ لیکن ایمان کا اگر مختصر مفہوم بیان کیا جائے تو صرف اسی قدر کافی ہے کہ اللہ کو اور اس کے احکامات کو دل اور زبان کے ذریعے قبول کرنا۔ پھر ایمان کے جیسے مدارج ہیں، صفات ہیں، شرائط ہیں اور مقتضیات ہیں، جن کا پورا کرنا ہر اس شخص پر لازم ہے جو ایمان لانے کا دعوے دار ہے، اسی طرح اس کی کچھ علامات بھی ہیں اور ان علامات میں سے ایک حسنِ خلق ہے، جس کا بیان اس سطور میں مطلوب ہے۔

حسن خلق ایک نیکی ہے، ایسی نیکی جس کا دوسرا سرا ایمان کی تکمیل سے جڑا ہوا ہے۔ رسولِ خدا علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا:

> البر حسن الخلق، والاثم ما حاک فی صدرک، وکرهتَ أن یطلع علیه الناس
> (مسلم/ ج۴، ص۱٦٦۔ رقم ۲۵۵۳)
> نیکی (بھلائی) حسنِ خلق کا نام ہے، اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تمہیں یہ بات بری محسوس ہو کہ لوگ اس پر مطلع ہو جائیں۔

یعنی حسنِ خلق خواہ وہ کسی بھی نوعیت کا ہو، نیکی ہے، اور ظاہر ہے کہ بداخلاقی اس کے مقابلے میں ایک تسلیم شدہ برائی کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں حسنِ خلق کو بھلائی اور نیکی کے ساتھ بیان کیا ہے، اسی طرح دوسری روایت میں فرمایا:

> المومن غر کریم والفاجر خب لئیم (۲۔ ترمذی/ ج۳، ص۳۸۸۔ رقم ۱۹۷۱)
> مومن سادہ اور سخی جبکہ فاجر فریب دینے والا اور بخیل ہوتا ہے۔

دونوں مقامات پر درس یہی دیا جا رہا ہے کہ ہر طرح کی اخلاقی کمزوری ایمان کے اور اس کے لوازم ومقتضیات کے منافی ہے اور ہر طبعی خوبی وفطری نیکی ایمان کی علامت ہے۔اس لئے اخلاقی کمزوریوں کا دور کرنا جس طرح ہمارے لئے معاشرتی تقاضوں کو نبھانے کے لئے ضروری ہے، وہیں اپنے ایمان کو بچانے ،محفوظ کرنے اور اس کی تکمیل وتزئین کی خاطر بھی ضروری ہے۔

درحقیقت ایمان ایک ایسی قوت ہے جو صفاتِ مذمومہ اور اخلاقِ رذیلہ سے انسان کی حفاظت کرتی ،اس کے اندر پاکیزہ صفات اور اخلاق حسنہ کو پروان چڑھاتی اور ان کی جانب اس کو راغب کرتی ہے۔اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے جب بھی اپنے بندوں کو کسی بھلائی کی طرف بلایا، یا انہیں کسی برائی کے خلاف ابھارا اور اس کی شناعت کو ان کے سامنے واضح کیا تو ان کے ایمان کو ضرور اس مقصد کے لئے واسطہ بنایا، اللہ سے ڈرنے ،تقویٰ اختیار کرنے اور صداقت شعارت کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (توبہ:۱۱۹)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

یہاں جن عظیم مقاصد کی جانب لوگوں کو توجہ دلانا مقصود ہے، ان کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے پہلے فرمایا یاایھاالذین اٰمنو۔اے ایمان والو! گویا ایمان کے بعد تمہارے لئے یہ بھی لازم ہے کہ ان صفات حسنہ کو اختیار کرو، یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد مقامات پر اس کی وضاحت فرمادی ہے کہ اگر ایمان مستحکم اور طاقت ور ہوگا تو اس سے نہایت مضبوط اور پائیدار اخلاق جنم لے گا، اور اگر اخلاق میں کمزوری ہے وہ روبہ زوال ہے، یا اس میں مومنانہ پختگی کا فقدان ہے تو یہ بجائے خود اس امر کی دلیل ہے کہ اس کا ایمان بھی طاقتور نہیں ہے، اس میں بھی کمزوری اور کمی موجود ہے، جو اس کے اخلاقی پہلو کو متاثر کر رہی ہے۔آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

حیا اور ایمان دونوں جڑواں بھائی ہیں، جس نے ان میں سے کسی ایک کو چھوڑ دیا، اس نے دوسروں کو بھی کھودیا (مستدرک حاکم)

گویا کہ ایمان اور اخلاق (جس کی ایک شاخ حیا کا حدیث میں ذکر فرمایا گیا) دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں، نہ اخلاق کی تکمیل ایمان کے بغیر ممکن ہے، نہ ایمان اخلاق حسنہ کے بغیر مکمل قرار دیا جاسکتا ہے۔

ایسا اخلاق پاکیزہ کردار، جو زندگی کے ہر شعبے میں نظر آئے، اسلام کی نظر میں اور تعلیماتِ نبوی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کی رو سے ایسی دولت ہے، جس کا بدل دوسری کوئی نیکی نہیں، اور جو کوئی اس سے محروم ہے، وہ نیکیوں کے انبار اور دولت کے خزانے رکھنے کے باوجود بھی حد درجہ مفلس ہے، ایسا مفلس جس کی مفلسی کو دور کرنے کی کوئی صورت نہیں۔

ایک بار آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے استفسار کیا کہ جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ مفلس وہ ہے جو درہم و دینار نہ رکھتا ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

ان المفلس من امتی یاتی یوم القیامة بصلاة وصیام و زکاة، ویاتی قد شتم هذا، و قذف هذا، واکل مال هذا، و سفک دم هذا، وضرب هذا، فیعطیٰ هذا من حسناته وهذا من حسناته، فان فنیت حسناته قبل ان یقضیٰ ما علیه، اخذ من خطایاهم فطرحت علیه، ثم طرح فی النار (۵۔ مسلم/ ج۴، ص۱۷۹۔ رقم ۲۵۸۱)

میری امت میں مفلس وہ شخص ہوگا جو روز قیامت اپنے رب کے سامنے حاضر ہوگا، اس نے نمازیں پڑھی ہوں گی، زکوۃ دی ہوگی، روزے رکھے ہوں گے، لیکن ان کے ساتھ ساتھ کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر بہتان لگایا ہوگا، کسی کا مال ناحق کھایا ہوگا، کسی کا ناحق خون بہایا ہوگا، کسی کو مارا پیٹا ہوگا، تو اس کی تمام نیکیاں ان مظلوموں کو دے دی جائیں گی، جن کا حق اس کے ذمے نکلے گا، اور اگر اس کے مظالم ختم ہونے سے پہلے ہی اس کی نیکیاں ختم ہوگئیں تو ان مظلوموں کے گناہ اس کے کھاتے میں منتقل کر دیئے جائیں گے، اور پھر اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ أعاذنا اللہ منه

اس شخص کی مثال بالکل واضح ہے، بعینہ اس تاجر کی طرح جو اپنی ملکیت میں ایک لاکھ روپے تو رکھتا ہے مگر ڈیڑھ لاکھ کی رقم دوسروں کی اس کے ذمے واجب الادا بھی ہے، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اسے مالدار کس طور پر کہا جا سکتا ہے؟

یہی صورت آج ہماری بھی ہے ہم میں سے جو دیندار ہیں، وہ اگر نماز روزے کی پابندی کرتے ہیں، مالی امور میں بھی نیکی کے راستوں میں دل کھول کر خرچ کرتے ہیں، مگر دنیاوی اعتبار سے اپنے سے کم تر افراد سے ان کا رویہ ہمدردانہ یا خیر خواہانہ نہیں، بلکہ تحقیر اور تذلیل کا ہے، ان کی ضرورتوں کا خیال رکھنا تو کجا ان سے عام انسانی برتاؤ میں بھی اخلاقی اصولوں اور اسلامی تعلیمات کا خیال نہیں رکھا جاتا، تو وہ کیسے متقی قرار دیئے جا سکتے ہیں؟

اسی طرح اگر معمول کی عبادات بجالانے والے یا ان کی بجا آوری میں زیادہ تندہی اور

سرگرمی کا مظاہرہ کرنے والے اگر معاملات میں کجی دکھاجائیں۔امانت و دیانت، ایفائے عہد، وعدے کی پابندی کرنے اور ہر طرح کی بدعنوانی سے بچنے کی بجائے ان میں بری طرح ملوث ہوجائیں۔نماز کی پابندی کے ساتھ ساتھ رشوت کا بازار بھی گرم رہے، روزے تو رمضان کے علاوہ بھی جاری رہیں، مگر اجناس میں ملاوٹ بھی عروج پر ہو۔زکوٰۃ کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ دیگر فلاحی ورفاہی کاموں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اور سودخوری کا سلسلہ بھی جاری رہے۔ ہر سال عمرے اور حج کی ادائیگی کا التزام بھی ہو اور ملکی، دفتری اور کاروباری قوانین کو پامال کر کے دولت بھی دونوں ہاتھوں سے سمیٹی جارہی ہو، تو یہ اخلاقی کمزوری اور معاملات کی کجی ان عبادات کو بھی کھاجائے گی اور آخرت میں، حساب کے روز حدیث کے مطابق ہاتھ کچھ نہ آئے گا، غیر فائدہ مند پشیمانی اور دائمی رسوائی کے سوا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے اور عاقبت بخیر کرے، آمین۔

ویسے بھی سوچنے کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس ایمان کی کیا قیمت ہوسکتی ہے، جس کے ساتھ حسنِ اخلاق کی نعمت و دولت نہ ہو؟ انسان اللہ تعالیٰ سے انتساب بھی رکھے اور کردار کا کچا اور عادات کا کج رو بھی ہو، ایسے شخص کو مومن کامل کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟ چہ جائیکہ وہ متقی بھی سمجھا جائے، جو اس کے بعد کا مرحلہ ہے۔ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اربع من كن فيه كان منافقاً خالصاً، ومن كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها، اذا اؤتمن خان، واذا حدث كذب، واذا عاهد غدر، واذا خاصم فجر (۶۔بخاری/ كتاب الايمان، باب علامة المنافق)

چار خصلتیں ایسی ہیں جو اگر کسی کے اندر پائی جائیں گی تو وہ مکمل منافق ہوگا، اور جس کے اندر ان میں سے کوئی ایک خصلت پائی جائے تو وہ منافقت کی ایک خصلت رکھنے والا ہوگا، جب تک وہ اسے ترک نہ کردے، (وہ چار خصلتیں یہ ہیں) جب اسے کوئی امانت سونپی جائے تو خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو ایفا نہ کرے اور جب لڑائی جھگڑا کرے تو گالم گلوچ پر اتر آئے۔

یہ حدیث ہمارے لئے بہترین کسوٹی ہے، جس پر ہم اپنا احتساب کرسکتے ہیں اور دیکھ سکتے ہیں کہ ہم ایمان کے کس مرحلے میں ہیں، اور عام اخلاقیات کے اعتبار سے ہم کس مقام پر کھڑے ہیں؟

☆☆☆☆☆

تجارت کے شعبوں میں دین کے احیا کا طریقہ

حضرت مولانا محمد سہیل صاحب مدظلہم کراچی

(حضرت مولانا محمد سہیل صاحب مدظلہم نے کراچی کے مختلف مقامات یعنی کاروباری مراکز وعلاقائی مساجد میں زندگی کے مختلف شعبوں میں دین کے احیا کے عنوان سے بہت ہی مرتب اور جامع گفتگو فرمائی، جن کا خلاصہ اور اہم نکات پیش خدمت ہیں، اسے ضرور پڑھیں، بہت ہی اہم نکات ہیں)

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم امابعد!

أعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

يَـا اَيُّهَـا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ (سورہ نساء:۲۹)

وَآخَـرُوْنَ يَـضْـرِبُـوْنَ فِـيْ الْاَرْضِ يَبْتَـغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَآخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (سورہ مزمل:۲۰)

التاجر الصدوق الامین مع النبیین و الصدیقین (رواہ الترمذی)

طلب کسب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

اللہ تعالیٰ کی بندے سے محبت:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور اللہ تعالیٰ کو اس انسان سے سب سے زیادہ محبت ہے، ایک ماں کو اپنی اولاد سے بہت محبت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ستر ماؤں کی محبت سے زیادہ محبت فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو کبھی خسارہ اور گھاٹے میں رکھنا نہیں چاہتے بلکہ دنیا وآخرت میں کامیاب کرنا چاہتے ہیں، اسی کامیابی کے حصول اور تکالیف اور مشکلات سے نکالنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک نظام زندگی عطا کیا ہے، اور حق بھی اسی کا ہے کہ وہ نظام دے، ہر کمپنی اپنی پروڈکٹ

کے ساتھ اس کے چلانے کا سسٹم دیتی ہے کیونکہ اس کے بغیر وہ پروڈکٹ خراب ہوجائے گی، ایک کمپنی گاڑی بناتی ہے تو اس کے چلانے اور ٹھیک رکھنے کا نظام بھی وہی دیتی ہے، ٹویوٹا گاڑی کا نظام کوئی اور کمپنی نہیں دے سکتی، اسی طرح اللہ تعالی نے انسان کو بنایا، انسان کیلئے سب سے بہتر اور عمدہ نظام اللہ تعالی کے علاوہ کوئی نہیں دے سکتا، یہ یقینی بات کہ اللہ تعالی کے نظام سے بہتر کوئی نظام نہیں۔

زندگی گزانے کے دو طریقے:

انسان کے سامنے دو راستے اور سسٹم ہیں:

ایک راستہ ظاہری اسباب اور دنیا کو سامنے رکھ کر چلنے کا راستہ ہے جو کہ انسانی عقل سے بنا ہوا راستہ ہے ، انسانی عقل کی کمزوری اور ادراک کی کمی کو سب جانتے ہیں، وہ سامنے دیکھ سکتا ہے پیچھے نہیں دیکھ سکتا، کوئی انسان کسی چیز کو فائدہ مند تصور کرے تو کوئی کسی چیز کو نقصان دہ سمجھے، ایک ناقص عقل اور ناقص علم والے کی سوچ اور نظام پر انسان کو چھوڑنا انسانیت پر ظلم ہوگا، اور اللہ تعالی ظالم نہیں ہیں، وہ اپنے بندے سے محبت کرتے ہیں، پھر عقلوں سے بنے ہوئے نظام ناقص ہیں، اس سے آخرت کا تو کیا نظام بنے، دنیا کا نظام بھی نہیں بن سکتا، اس کے لئے دوسرا طریقہ اور سسٹم ہے اور وہ ہے اللہ تعالی کا بنایا ہوا راستہ اور سسٹم، جس کو اللہ تعالی نے آسمان سے اتارا ہے، اللہ تعالی کی ذات کامل، اسکا علم کامل، اس کی قدرت کامل اور اس کا دیا ہوا نظام زندگی بھی کامل، اس کے نظام میں قیامت تک کے انسانوں کے لئے ہر شعبہ زندگی کے بارے میں مکمل رہنمائی موجود ہے۔

انسان کا تخلیق کردہ نظام ضعیف اور کمزور ہے کیونکہ انسان کمزور ہے اور اللہ کا نظام کامل ومکمل ہے، پھر خالق اور مخلوق میں برابری نہیں تو خالق کا تجویز کردہ نظام اور مخلوق کا ناقص سوچ کے ساتھ بنایا ہوا نظام کیسے برابر ہوسکتا ہے؟ انسانوں کے بنائے ہوئے نظام میں ہماری ناکامی اور پریشانی ہے کیونکہ وہ ناقص علم اور ناقص بنیاد پر بنے ہیں۔

ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ

آج مسلمان کو ایک غلط فہمی یہ ہورہی ہے کہ انسان کی زندگی کے دو حصے ہیں، دینداری اور دنیاداری، ہم مسجد کے اندر کی زندگی اور عبادات کے پورا کرنے کو دینداری سے تعبیر کرنے لگے ہیں اور بازار میں جانے اور معاملات ومعاشرت کے کاموں میں لگنے کو دنیاداری سے تعبیر کرتے ہیں، یہ

فرق کرنے کی وجہ سے اس آدمی کو جو حلال روزی میں اپنے صبح وشام صرف کرتا ہے، جھوٹ نہیں بولتا، دھوکہ نہیں دیتا، وقت پر سب کے حقوق ادا کرتا ہے مگر بازار میں ہے تو ہم اس کو دنیادار کہتے ہیں، حالانکہ حضور اکرم ﷺ کی ۲۴ر گھنٹے کی زندگی دین ہے، آپ نے امت کو ایمانیات، عبادات، معاملات، معیشت، سیاست، معاشرت اور اخلاقیات دیئے ہیں، آپ کی زندگی کا ہر عمل دین ہے اور اس کو جو بھی اپنائے گا وہ دین دار ہی ہوگا، چاہے وہ تجارت کا شعبہ ہو یا ملازمت کا ہو، علاج معالجہ کا ہو یا زراعت کا ہو، وہ بچوں کی تعلیم وتربیت ہو یا معاشرتی زندگی کا، ملکی سیاست کا ہو یا ملکی سرحدات کی حفاظت ہو، مسلمان کی ۲۴ر گھنٹے کی زندگی دینداری ہے، اگر ہمارا پانی پینا سنت کے مطابق ہو تو دین بن سکتا ہے تو کیا ہماری تجارت، ملازمت، زراعت، سیاست اور معاشرتی زندگی حضور اکرم ﷺ کے طریقے کے مطابق ہو تو کیا وہ دین نہیں بن سکتا؟ ہم ان معاملات کو دنیاداری تو سمجھتے ہیں لیکن دین نہیں سمجھتے اور اسی غلط فہمی کی وجہ سے ہم زندگی کے مختلف شعبوں کا دین نہیں سیکھتے، جبکہ اس میں ہمارے پاس کامل مکمل طریقہ حیات اور نظام زندگی موجود ہے جو ہمیں حضور اکرم ﷺ سے ملا ہے، رسول اللہ ﷺ والے طریقہ پر کام کرنے میں سنت کا ثواب ہے، اب خط لکھنا، اس پر دستخط کرنا اور اسٹامپ لگانا، یہ نبی اکرم ﷺ کا طریقہ ہے، اب ہم اس کام کو نبی اکرم ﷺ والی نیت اور طریقہ سے کریں گے تو ثواب بھی ملے گا اور کام بھی ہوگیا، حضور اکرم ﷺ نے بادشاہوں کو خطوط لکھے اور اس پر بطور دستخط کے مہر لگائی، ہم اپنے خطوط اور ڈاکومنٹ میں نبی کا طریقہ سامنے رکھیں گے تو دین بنے گا، یاد رکھیں! ہر کام کو کرنے کے دو طریقے ہیں، نبی والا طریقہ اور غیروں والا طریقہ، دین اسلام میں ہر دور کے لئے ہدایات موجود ہیں، چاہے کتنی ترقی کا دور آجائے، اسلام کو صرف اونٹوں اور گھوڑوں کے دور کا سمجھنا اور آج کے جدید دور اور سائنسی دور میں یہ سمجھنا کہ اب اسلام کی ضرورت نہیں، یہ غلط سوچ ہے، ایک غلط فہمی یہ بھی ہے کہ انسان نے ترقی کر لی، حالانکہ ترقی انسان نے نہیں بلکہ چیزوں نے ترقی کی ہے، پہلے زمانے میں انسان گھوڑے پر سوار ہوتا تھا، اب گاڑی میں سوار ہوتا ہے، سواری بدلی ہے، سوار وہی ہے، اللہ تعالی عالم الغیب ہیں، اللہ تعالی نے نبی علیہ السلام کو قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کی کامیابی کے لئے دین دیا ہے اور یہ انسان کہیں بھی پہنچ جائے، فضا میں سوسائٹی بنالے، چاند پر پہنچ جائے، کسی بھی جگہ چلا جائے، اس کے لئے اللہ تعالی کی طرف سے ہر وقت رہنمائی موجود ہے، اللہ تعالی نے مختلف انبیا کرام علیہم السلام پر متعدد مرتبہ وحی بھیجی، کسی پر چھ دفعہ، کسی پر دس دفعہ، کسی پر زیادہ،

کسی پر کم ،مگر حضور اکرم ﷺ پر ہزاروں مرتبہ وحی بھیجی ہے اور اس میں وہ سارے علوم سکھلائے جو قیامت تک امت کی ضرورت تھی ،اس میں صرف عبادات نہیں ہیں بلکہ معاملات ومعاشرت اور ساری انفرادی واجتماعی زندگی کے احکام ہیں ،اور پھر آخر میں فرمایا کہ " اَلۡيَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِيۡنَكُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِىۡ وَرَضِيۡتُ لَكُمُ الۡاِسۡلَامَ دِيۡنًا "،اس عظیم دین سے محرومی میں ہمارا ہی نقصان ہے،اور پھر جہاں تک ہم نے سمجھا ہے کہ یہ دینداری اور دنیاداری کا تصور نصرانیوں کی اتوار کی گرجا کی عبادت سے ہمارے اندر آیا، کیونکہ ان کا مسئلہ تو یہ ہے کہ ان کے دین میں ان کے پاس گرجا سے باہر کوئی دینی رہنمائی نہیں ، وہ گرجا میں جا کر چند منٹ عبادات کر لیتے ہیں اور اس کے بعد باہر کی کوئی رہنمائی نہیں ، نہ تجارت میں نہ ملازمت ، نہ علاج معالجہ میں نہ زراعت میں اور نہ کسی اور شعبہائے زندگی میں ،لیکن الحمدللہ اسلام میں تو ہر موقعہ کی رہنمائی موجود ہے۔

کمانے اور اپنے ہاتھ سے محنت کرنے کے فضائل:

معاشی معاملات کے فضائل کا ثواب اس فرد کیلئے ہے جو اُن کے استحضار کے ساتھ ، دین کو سیکھ کر اور علما کرام سے پوچھ کر کرے گا ورنہ بغیر فضائل کے استحضار کے نفس تجارت اور ملازمت پر ثواب نہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ **التاجر الصدوق الامین مع النبیین و الصدیقین** ، کہ قیامت کے دن سچا اور ایماندار تاجر اللہ تعالی کے برگزیدہ اور چنیدہ حضرات انبیا کرام علیہم السلام اور صدیقین یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہوگا۔

حدیث میں آتا ہے کہ **الکاسب حبیب اللہ** کمانے والا اللہ تعالی کا محبوب اور پیارا ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ **طلب کسب الحلال فریضة بعد الفریضة** یعنی ایمانیات اور فرائض اعمال کے بعد اہم ترین فریضہ حلال کمانا ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ **ماأکل أحد طعاما قط خیر من أ ن یأکل من عمل یدیه وان نبی اللّٰه داؤد علیه السلام کان یأکل من عمل یده** (رواہ البخاری) یعنی سب سے بہترین کمائی اپنی محنت کی کمائی ہے اور حضرت داود علیہ السلام اپنے ہاتھ سے محنت کر کے روزی کماتے تھے) کمانا انبیا کرام علیہم السلام کا شیوہ ہے۔ **کما قال الامام محمد بن الحسن الشیبانی رحمه اللّٰه فی کتابه الکسب : الکسب هو دب الانبیا۔** اور انبیا کرام علیہم السلام اپنی ضرورت کمائی سے پوری کرتے اور دین کے کام پر اجرت نہیں لیتے تھے بلکہ اس پر ان کا اعلان ہوتا کہ

لا أسئلكم عليه من أجر ، کہ دین کی دعوت اور تعلیم پر میں تم سے کوئی اجرت نہیں طلب کرتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کیا مسلمانوں کے بازار اُن کی مسجدوں جیسے نہیں ہوتے؟ یعنی ہم بازار میں بھی اللہ کے حکم کو پورا کر کے دین پر عمل کر سکتے ہیں، جس طرح ہماری مسجد کی زندگی اللہ کے حکم کو زندہ کرنے والی ہے، اسی طرح ہماری بازار کی زندگی بھی اللہ کے حکم کو زندہ کرنے والی ہو، ہمارا ہر کام دین داری ہے، صرف اس میں حضور اکرم ﷺ والا طریقہ لانا ضروری ہے۔

تجارت کی بابت نبوی تعلیمات کی چند ہدایات

حضور اکرم ﷺ نے ہجرت کے بعد دیکھا کہ مسلمان یہود کے بازاروں میں کاروبار کرتے تھے، آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مسلمانوں کے لئے بازار کی جگہ تلاش کرنے کا فرمایا، پھر آپ علیہ السلام بنفس نفیس خود حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما کو لیکر مدینہ میں سوق الخیل کی طرف تشریف لے گئے اور فرمایا کہ **هذا سوقکم ولا يضرب عليه الخراج** ۔ کہ آج سے یہ تمہارا بازار ہے، اس میں کاروبار کرو اور یہاں تم پر کوئی ٹیکس نہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تجارت وملازمت کرنا سکھائی، اس نبوی طریقہ میں پہلی چیز کمائی کی نیت درست کروانا ہے، حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ **من طلب الدنيا حلالا استعفافا عن المسئلة و سعيا على أهله و تعطفا على جاره لقى الله تعالى وهو عليه راضٍ ؛ وفى رواية: لقى االله تعالى ووجهه مثل القمر فى ليلة البدر و من طلب الدنيا حلالاً مكاثراً مفاخراً مرائياً لقى االله تعالى وهو عليه غضبان** (مشکوٰۃ شریف)

اس حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے تین نیتیں کروائیں اور تین چیزوں سے بچنے کی ترغیب دی، فرمایا کہ جو آدمی حلال روزی اس نیت سے حاصل کرے تا کہ وہ لوگوں کے سامنے سوال کرنے سے بچے، اہل وعیال کی ضرورت پوری کرے اور پڑوسیوں اور حق داروں کا حق ادا کرے، کل قیامت میں اللہ تعالی سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوگا اور اللہ تعالی اس سے راضی ہوں گے اور اگر اس کی حلال کاروبار سے نیت یہ تھی کہ میں خوب مال والا بن جاؤں، لوگوں میں جاہ ومنصب والا کہلاؤں اور لوگوں میں خوب شہرہ اور دکھلاوا ہو تو کل قیامت میں اللہ تعالی سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالی اس سے ناراض ہوں گے۔

اسلام نے ہر چیز کا طریقہ بتلایا ہے اور اسلام کے بتائے ہوئے طریقے سے اللہ بھی راضی

ہوگا اور کمائی میں برکت بھی ہوگی ، دنیا کی یونیورسٹیوں میں MBA کے کورس میں منی جنریشن اور میکسمایزیشن سکھاتے ہیں یعنی کس طرح دولت پیدا کی جائے اور لوگوں کو لوٹا جائے ، یہ برناڈ ، روبن ، مائیکل اور دنیا کے ماہر اقتصادیات کا نقشہ ہے جس کا مقصد صرف اور صرف دولت جمع کرنا اور بڑھانا ہے، آج ہر شعبہ کا نقشہ صحابہ کرام ﷺ کے نقشہ سے الگ ہو گیا تو اس وجہ سے ہم غیروں کے نقشے پر چل پڑے ہیں اور لوگوں کا خون چوس رہے ہیں، اللہ اور رسول کے بتلائے ہوئے طریقے اور دیئے ہوئے نقشہ میں لوگوں کی ہمدردی اور غم خواری ہے، خون چوسنا نہیں۔

نبوی طریقہ میں دوسری چیز بازار میں تاجر کے احوال کا معاینہ ہے، حضور اکرم ﷺ ظہر کے بعد بازار جاتے اور تاجر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معاملات کو دیکھتے ، ایک مرتبہ ایک کھجور والے کے پاس گئے ، اس کے پاس ڈھیر لگا ہوا تھا، اس نے تر کھجور کو خشک کھجور سے چھپا رکھا تھا، آپ ﷺ نے ڈھیر میں ہاتھ ڈالا تو اندر سے تر کھجور نظر آئیں، آپ نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ رات کو بارش کی وجہ سے تر ہو گئیں، اس لئے ان کو خشک کھجور کے اندر رکھ دیا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "من غش فلیس منا " کہ جو دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں، ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ شیطان اور گناہ تمہارے کام میں آجاتا ہے تو صدقہ کے ذریعے اس کو دور کرو، آپ علیہ السلام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کاروبار کے طریقے سکھاتے تھے۔

نبوی طریقہ میں تیسری چیز خریدار سے بھی خیر خواہی ہے اور بیچنے والے سے بھی ، ہمارے ہاں یہ سوچ ہے کہ بیچنے والا زیادہ نفع لینا چاہتا ہے اور خریدنے والا کم میں خریدنا چاہتا ہے، ہر ایک کی اپنی غرض ہوتی ہے جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں اس کا الٹ تھا۔

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا جانوروں کی خرید و فروخت کا کاروبار تھا، ایک آدمی نے ان کو تین سو درہم کا اونٹ فروخت کیا، آپ نے اس کو اچھی طرح دیکھا اور پھر اس کی قیمت چار سو درہم ، پھر پانچ سو درہم ، پھر چھ سو درہم ، پھر سات سو درہم طے کی اور پھر فرمایا کہ اس کی اصل قیمت تو آٹھ سو درہم ہے، میں اس کو اس سے کم میں نہیں خریدتا، جب خرید کر جانے لگے تو فرمایا کہ میں بتاؤں کہ میں نے اس کو آٹھ سو درہم میں کیوں خریدا؟ میں نے حضور اکرم ﷺ کے ہاتھ پر **"بیعة النصح لکل مسلم "** کی تھی کہ ہر مسلمان سے خیر خواہی کروں گا، اور تمہاری خیر خواہی یہی تھی کہ میں تم کو اس کی پوری قیمت دوں۔

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے جس میں آپ نے پانچ سو دینار کا گھوڑا ایک ہزار دینار میں خریدا۔

بلکہ اس سے بڑھ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ مدینہ منورہ میں اناج کی قلت ہوگئی اور لوگوں کی ضرورت کا مال کم ہوگیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اناج سے لدا قافلہ مدینہ منورہ آیا، آپ نے بولی لگوائی، کسی نے ایک درہم کی چیز کا دام سوا درہم لگایا اور کسی نے ایک درہم کی چیز کا دام ڈیڑھ درہم لگایا، آپ نے فرمایا کہ میں نے تو اللہ تعالی سے سودا کیا ہے اور وہ ایک درہم کی چیز کے دس عطا کریں گے، اور سارا مال مدینہ والوں کی ضرورت پر خرچ کر دیا، یہ بھی ایک تجارت ہے، دنیاوی تعلیم تو مال کی کمی ہونے پر بلیک مارکیٹنگ سکھاتی ہے، لوگوں کو مہنگا مال بیچنا سکھاتی ہے، جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں تاجر اپنے علاقے کے لوگوں کی ضرورت کو سامنے رکھ کر ان پر خرچ کرتے تھے، یہی وجہ تھی کہ لوگ پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مال خریدتے پھر دوسرے لوگوں سے خریدتے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کاروبار کا مقصد دوسروں کو نفع دینا تھا، ایک حدیث میں آتا ہے کہ **التجار و هم أمناء الله فی الارض** یعنی تاجر لوگ زمین پر اللہ تعالی کے جنرل سیکریٹری ہیں، اللہ تعالی نے مسلمان کو اپنا خلیفہ بنایا ہے، خلافت یہ ہے کہ اللہ تعالی کی عیال یعنی مخلوق کے ساتھ نفع اور خیر خواہی کا معاملہ کیا جائے۔

سری لنکا میں بعض مسلمان تاجر آئے اور انہوں نے کہا کہ پہلے وہ تاجر آئیں جنہوں نے گذشتہ موقعہ پر ہم سے مال خریدا تھا، اب وہ اس کو واپس کرنا چاہتے ہیں، ہم پہلے وہ واپس لیں گے پھر نیا مال بیچنا شروع کریں گے، اس عمل کی برکت سے سری لنکا میں اسلام پھیلا، آج وہاں تاجر برادری اس وجہ سے بھی زیادہ ہے۔

ہمارے ساتھ بعض علما نے آٹھ دس سال پہلے فکر کی کہ کس طرح ہر شعبہ میں دین زندہ کریں، لیکن مسئلہ یہ تھا کہ دینی علم کی بنیادی تفصیل عربی میں اور مختلف اردو زبان کی کتب اکابر میں بکھری ہوئی تھی اور تجارت و ملازمت بازار میں، علاج معالجہ ہسپتال میں، زراعت کھیت میں، مگر اس کے علوم سارے عربی میں اور مدرسہ میں، چنانچہ ہر شعبہ کو سامنے رکھ کر اس کے اعتبار سے اردو میں الگ الگ کر کے جمع کرنا شروع کیا، اس میں اپنی طرف سے کچھ بھی شامل نہیں کیا بلکہ بڑوں کی کتابوں سے لینا شروع کیا، تو ایسا اعلی وارفع ہر شعبہ زندگی کا نظام سامنے آیا کہ اس سے بہتر نظام کسی کے پاس نہیں تھا، اس کے نتیجے میں چند نصاب تیار ہوئے:

اسلامی طریقہ تجارت (مطول 4 جلد)
اسلامی طریقہ ملازمت (مطول 3 جلد)
اسلامی طریقہ علاج معالجہ (مطول 5 جلد)
اسلامی طریقہ زراعت (مطول 4 جلد)
اسلامی طریقہ معاشرت (زیر ترتیب)
اسلامی طریقہ تعلیم وتربیت (زیر ترتیب)

(ان سب نصاب کا مختصر بھی تیار ہوا ہے جو ایک جلد میں ہے تا کہ پڑھنے والوں کو مشکل نہ ہو، اور مطول نصاب سے پڑھانے والے علماء کرام استفادہ کر سکتے ہیں)

اس میں ہمیں تجارت وملازمت اور باقی شعبوں کی ایسی بنیادیں ملیں کہ ہم دنگ رہ گئے کہ یااللہ! اس دین اسلام میں اتنی جامعیت ہے اور ہم غیروں کی طرف بھٹک رہے ہیں، ہمارے ساتھ کام میں بعض پروفیسر حضرات بھی تھے، کہنے لگے کہ ایسا نظام تو ہم نے آج تک نہ پڑھا اور نہ سنا، ہم تو آج تک صرف تھیوری ہی تھیوری پڑھتے آئے تھے، یہاں تو پریکٹکل ہے، عمل ہے، جاذبیت ہے، اس پر عمل کرنا بہت آسان ہے اور اس میں لوگوں کا فائدہ زیادہ ہے اور کمال کی بات یہ ہے کہ اس میں ہر چیز آسمانی علوم والی ہے، اور اس کو ایک عام آدمی کا سیکھنا بھی آسان ہے، ہمیں اسلامی طریقہ تجارت میں ایک تاجر کی ۱۸۲ ایسی صفات ملیں جو اس کی تجارت کو چمکا دے، دین بہت آسان ہے اور اس کو زندہ کرنا بھی بہت آسان ہے، آج ہمارے بازاروں میں دین سے دوری کی وجہ سے ہم پریشان ہیں، علما فرماتے ہیں کہ کسی بھی کام میں لگنے سے پہلے اس کام کے کرنے والے کو اس کام کا علم سیکھنا فرض عین ہے اور کسی بھی کام اور کمائی کے شعبہ میں علم سیکھے بغیر لگنا جائز نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بازار میں اعلان کرتے تھے کہ پہلے اپنی تجارت کا علم سیکھو اور پھر بازار میں تجارت کرو۔

ہم اپنے شعبے کا دین سیکھیں اور لوگوں کو سکھائیں اور اس کیلئے جو نصاب مرتب کیا گیا ہے، اس کو علما کرام سے ایک دفعہ پڑھ لیں، پھر دیکھیں کہ کیسے آپ کے کام میں برکت اور ترقی ہوتی ہے۔

اسلامی اصول تجارت کی برکت:

لاہور میں گارمنٹ کے ایک تاجر نے مسجد میں اسلامی طریقہ تجارت پڑھنا شروع کیا، اس کا گارمنٹ مینوفیکچرنگ اور ایکسپورٹ کا کاروبار تھا، اس کو فرانس سے ایک کمپنی نے آرڈر دیا، اس نے

اسلامی طریقہ تجارت میں پڑھا تھا کہ:
غیر مسلم سے بھی کاروبار ہوسکتا ہے کہ مسلمان ہمارا اسلامی بھائی ہے اور غیر مسلم ہمارا انسانی بھائی ہے،
کاروبار میں ایمانداری اور سچائی کا حکم ہے،
کاروبار میں **أوفوا بالعقود** کہ طے شدہ معاملات کو پورا کرنے کا حکم ہے،
کاروبار میں سنت یہ ہے کہ "**زنوا رجح**" کہ جھکتا تولو،
کاروبار میں گاہک کو ہدیہ دینا سنت ہے، **تهادوا تحابوا** کہ ہدیہ سے محبت بڑھتی ہے۔

اس تاجر نے فرانسیسی کمپنی کے آڈر جس کا نمونہ مثلاً ۲۰ تھا تو اس کو ۲۱ بلکہ ۲۲ بنا کر دیا، ایمانداری اور معاملات کی درستگی کے ساتھ وقت پر پورا بلکہ اس سے بڑھ کر پورا کیا۔ گارمنٹ کے پانچ کاٹن اضافی ہدیہ کی نیت سے ڈال دیئے اور ساتھ میں اس میں ایک چٹ ڈال دی کہ آپ کے مال میں ہینڈلنگ میں یا ہمارے بنانے میں کسی کپڑے میں کوئی کمی ہو تو ان پانچ سے پورا کرلیں، جو اضافی نکلے وہ ہماری طرف سے ہدیہ ہے۔

اس فرانسیسی کمپنی کو پاکستان کی اس کمپنی کے بارے میں اندازہ نہ تھا، کیونکہ عموماً باہر کی دنیا کے لوگوں کا پاکستان کے بارے میں یہ تاثر ہے کہ 20 کا نمونہ 17 یا 18 آتا ہے، 19 بھی آجائے تو غنیمت، اب یہاں کھولا تو حیران کہ بیس نمونہ کا بائیس اور مال کے ساتھ ہدیہ، مال بھی بروقت اور پورا، اس کمپنی نے ای میل کی کہ یہ تجارت آپ نے کس یونیورسٹی سے سیکھی؟

اس تاجر نے بتایا کہ میں نے کسی یونیورسٹی سے نہیں سیکھی بلکہ ہماری مسجد میں ہمارے امام صاحب سکھاتے ہیں، اور یہ سب ہمارے دین میں موجود ہے،

اس کمپنی کے مالک نے پوچھا کہ کیا تمہارا دین تم کو بزنس بھی سکھاتا ہے،

اس تاجر نے جواب دیا کہ بزنس تو بہت بڑی چیز ہے، ہمارا دین تو ہم کو چھوٹی چھوٹی باتیں استنجا کا طریقہ، کھانے پینے کا طریقہ، لباس پہننے اتارنے کا طریقہ وغیرہ سب سکھاتا ہے، ہماری 24 گھنٹے کی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس میں ہمیں ہمارے دین کی ہدایت اور تعلیم نہ ملی ہو،
اس کمپنی کے مالک نے کہا کہ اگر کسی دین میں اتنا کچھ موجود ہے تو وہ پھر کسی انسان کا بنایا ہوا نہیں ہوسکتا، یہ آسمان سے نازل کیا ہوا دین ہے، اور میں اس دین کو قبول کرتا ہوں، اور پھر وہ فرانسیسی تاجر مسلمان ہوگیا۔

یہ ہے اسلامی اصول کو اپنانے کی برکت! اللہ تعالیٰ ہم سب کو انھیں اپنی عملی زندگی میں برتنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

اسلامی تقویم: تاریخ واہمیت

مولانا عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی، ایڈیٹر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور

تقویم کی تحقیق اوراس کی ضرورت : گزشتہ زمانے کے واقعات وحادثات وغیرہ کومحفوظ رکھنے کے لیےاورآئندہ زمانہ کے لین دین، معاملات وغیرہ کی تاریخ متعین کرنے کے لیےتقویم (کیلنڈر) کی نہایت ضرورت ہے، کیوں کہ کیلنڈر کے بغیر ماضی کی تاریخ معلوم ہوسکتی ہے، نہ مستقبل کی تاریخ کا تعین کیا جاسکتا ہے۔

تقویم کی اقسام : واضح ہوکہ دنیا میں کئی قسم کی تقاویم چلتی ہیں، جن کا دارومدار تین چیزیں ہیں۔سورج، چاند، ستارے۔اس لیے بنیادی تقاویم تین ہیں۔ شمسی، قمری، نجومی۔ پھر شمسی کیلنڈر کی تین قسمیں ہیں۔ایک عیسوی، جس کوانگریزی اور میلادی بھی کہتے ہیں، دوم بکرمی جس کو ہندی بھی کہتے ہیں، سوم تاریخ فصلی۔ان کے علاوہ اور بھی تقاویم ہیں، جیسے تاریخ رومی، تاریخ الٰہی۔

تاریخ کا ماخذاور اس کی ابتدا : تاریخ کے ماخذ کوعموما تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

آثارمضبوط۔یعنی تمام لکھی ہوئی چیزیں، مثلا کتابیں، یادداشتیں، دفتروں کاغذات، پرانے فیصلے، دستاویز وغیرہ ۔آثارمنقولہ، یعنی زبان زدعام باتیں مثلا کہانیاں، نظمیں، ضرب الامثال وغیرہ۔آثارقدیمہ یعنی پرانے زمانے کی نشانیاں، مثلا شہروں کے خرابے قلعے، مکانات، کتبے، تصویریں وغیرہ۔

تاریخ کےفوائد پرنظرڈالتے ہوئے علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ تاریخ ایک ایسی چیز ہےاور ایک ایسافن ہے جوکثیرالفوائداور بہترین نتائج پر مشتمل ہےاورتاریخ کا علم ہم کوسابق امتوں کے اخلاق، حالات، انبیا کی پاک سیرتوں اورسلاطین کی حکومتوں اوران کی سیاستوں سے روشناس کرتا ہے، تاکہ جو شخص دینی ودنیوی معاملات میں ان میں سے کسی کی پیروی کرنا چاہےتو کرسکے۔ (مقدمہ ابن خلدون)

تاریخ کا مقصداور فائدہ بیان کرتے ہوئے مولانا محمد میاں مصنف تاریخ اسلام لکھتے ہیں کہ جوحالات موجودہ زمانہ میں پیش آرہے ہیں ان کوگزرے ہوئے زمانے کی حالتوں سے ملاکرنتیجہ نکالنا

اوراس پرعمل کرنا تاریخ کا مقصد اور فائدہ ہے۔

علامہ بدرالدین عینی رحم اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب زمین پر انسان کی آبادی وسیع ہونے لگی تو تاریخ کی ضرورت محسوس ہوئی، اس وقت ہبوط آدم علیہ السلام سے تاریخ شمار کی جانے لگی، پھر طوفان نوح علیہ السلام سے اس کی ابتدا ہوئی، پھر نار خلیل سے، پھر یوسف علیہ السلام کے مصر میں وزیر بننے سے، پھر موسی علیہ السلام کے خروج مصر سے، پھر حضرت داؤد سے، ان کے فورا بعد سلیمان علیہ السلام سے پھر حضرت عیسی علیہ السلام سے۔اس کے بعد ہر قوم اپنے اپنے علاقہ میں کسی اہم واقعہ کو سن قرار دیتی تھی، مثلاً قوم غسان نے سد سکندری کو، اہل صنعا نے حبشہ کے یمن پر چڑھ آنے کو سن قرار دیا، مختصر یہ کہ جس طرح ہر قوم نے اپنی تاریخ کا مدار قومی واقعات وخصائص پر رکھا، اسی طرح اہل عرب نے بھی تاریخ کے لیے عظیم واقعات کو بنیاد بنایا، چنانچہ سب سے پہلے اہل عرب نے حرب بسوس (یہ وہ مشہور جنگ ہے جو بکر بن وائل اور بنی ذہل کے درمیان ایک اونٹنی کی وجہ سے چالیس سال تک جاری رہی) سے تاریخ کی ابتدا کی۔اس کے بعد جنگ داحس جو محض گھڑ دوڑ میں ایک گھوڑے کے آگے نکل جانے پر بنی عبس اور بنی ذبیان کے درمیان نصف صدی تک جاری رہی، پھر جنگ غبرا سے، پھر جنگ ذی قار سے پھر جنگ فجار سے تاریخ کی ابتدا کی۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلاف میں سے ایک بزرگ کعب کے کسی واقعہ سے سالوں اور تاریخ کا حساب لگاتے رہے، پھر اصحاب الفیل کے واقعہ سے، یہاں تک کہ عام الفیل کی اصطلاح ان کے یہاں رائج ہوئی۔ (ملاحظہ ہو عمدۃ القاری للعلامہ بدرالدین عینی)

لیکن اتنی بات واضح ہے کہ رومیوں اور یونانیوں کے دور، بالخصوص سکندر اعظم کی فتوحات سے تاریخ کا وہ حصہ شروع ہوتا ہے جس نے دنیا کے اکثر ملکوں کے حالات کو اس طرح دنیا کے سامنے پیش کیا کہ سلسلہ کے منقطع ہونے کی بہت کم نوبت آئی اور عام طور سے یہیں سے تاریخ کی ابتدا سمجھی جاتی ہے۔

اسلامی تاریخ (ھجری) کی ابتدا : حضرت عمر کے زمانہ خلافت میں ابو موسی اشعری عراق وکوفہ کے گورنر تھے، ایک دفعہ انہوں نے حضرت عمر فاروق کے پاس خط لکھا کہ آپ کی طرف سے ہمیں جو احکامات اور ہدایتیں ملتی ہیں ان میں تاریخ نہیں ہوتی، اس لیے معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کس تاریخ کا حکم نامہ ہے؟ جس کی بنا پر بعض دفعہ ان پر عمل کرنے میں دشواری پیش آتی ہے۔اس پر غور کرنے کے لیے حضرت عمر نے مجلس شوری منعقد کی اور اکابر صحابہ کو جمع کیا، جن میں حضرت عثمان اور حضرت علی بھی تھے۔ یہ بحث شروع ہوئی کہ سن کی ابتدا کب سے قرار دی جائے۔حضرت علی نے

ہجرت کی رائے دی اور اس پر سب کا اتفاق ہو گیا۔

اسلامی تاریخ کیلئے ہجرت کی ترجیح کی وجوہات:

ہجرت کے بعد مدینہ میں ایمان والوں کو ایک مضبوط قلعہ اور مستحکم مرکز مل گیا۔ مسلمانوں کو آزادی سے عبادت کرنے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے جانے کے مواقع مل گئے۔ اہل اسلام نسبتاً چین سے زندگی گزارنے لگے۔ اسلامی طرز معاشرت کے خدوخال نمایاں ہوئے، اسلام کے اقتصادی ومعاشی پروگراموں کے لیے عملی راہ ہموار ہوگئی، تعلیمات اسلام کی نشر واشاعت کے لیے پاکیزہ ماحول مہیا ہوا، ایک اسلامی حکومت قائم ہوئی جس کے سربراہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اسلام کی اسی ظاہری اور باطنی شان وشوکت کے پیش نظر ہجرت کی تاریخ سے اسلامی تقویم کا آغاز کیا گیا۔

اسلامی سن کا آغاز محرم الحرام سے کیوں ہوا ؟ اس کے بعد مہینے کے بارے میں مشورہ ہوا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے رجب المرجب کی رائے دی، کیوں کہ یہ اول شہر الحرام ہے، حضرت طلحہ نے رمضان المبارک کی رائے دی، بعض حضرات نے ربیع الاول کی رائے دی۔ حضرت عثمان اور حضرت علی نے محرم الحرام کی رائے دی، اس کو فاروق اعظم نے پسند فرمایا۔

قمری تقویم کے فوائد : مروجہ تقویم میں سے جو فوائد قمری تقویم میں ہیں وہ کسی اور تقویم میں نہیں ہیں، نہ ہو سکتے ہیں۔ اس لیے کہ رب کائنات نے روزمرہ کے کام کاج اور لین دین کی آسانی وسہولت کی خاطر چاند کا نظام اس طرح بنایا جس سے ہر انسان ہر علاقے میں آسانی سے تاریخ کا تعین کر سکتا ہے۔ مثلاً مغرب کی طرف سے جب چاند پتلا نظر آتا ہے تو ہر انسان (عالم، جاہل، شہری، دہقانی) معلوم کر سکتا ہے کہ مہینہ کی پہلی تاریخ ہے، اسی طرح چاند جب بالکل مکمل ہو تو اس سے چودھویں تاریخ کا تعین کر سکتا ہے، اسی طرح جب مشرق کی جانب سے چاند باریک طلوع ہوتا ہے، تو معلوم ہوتا ہے کہ ستائیس یا اٹھائیس تاریخ ہے، اسی طرح روز روز واضح طور پر چاند کی صورت تبدیل ہو جاتی ہے، جس سے ہر انسان معمولی تدبر سے تاریخ کا تعین کر سکتا ہے۔ بخلاف شمسی تقویم (کیلنڈر) کے کہ اس سے تاریخوں کا پتہ نہیں چل سکتا، مثلا دسمبر کی پندرہ تاریخ ہو تو کوئی آدمی آفتاب دیکھ کر یہ معلوم نہیں کر سکتا کہ آج پندرہ تاریخ ہے، نہ اس کی ہیئت وصورت میں نمایاں تبدیلی آتی ہے، جس کو دیکھ کر تاریخ کا تعین ہو سکے، نیز شمسی تاریخ آلات رصدیہ اور قواعد ریاضیہ پر موقوف ہے، جس کو ہر شخص آسانی سے معلوم نہیں کر سکتا۔ اس لیے اللہ تعالی نے احکام وعبادات کا مدار قمری حساب پر رکھا ہے، قرآن کہتا ہے: یسئلونک عن الاهلة قل هی مواقیت للناس والحج (البقرہ)

چند اعتراضات کے جوابات: بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ قمری حساب یقینی نہیں، کیوں کہ مہینہ کبھی ۲۹ کا ہوتا ہے، کبھی ۳۰ کا، سو اس کا جواب یہ ہے کہ رویت ہلال کی یقینی تاریخ متعین نہیں ہوسکتی۔ لیکن یہ اعتراض جاری ماہ کے متعلق نہیں ہوسکتا، کیوں کہ اس کی تعیین رویت ہلال سے ہوچکی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ عملی رویت ہلال مذہبی تقریبات کے لیے ضروری ہے عام حساب کے لیے ضروری نہیں۔ یہ حسابی طریقہ پر متعین کیا جاسکتا ہے۔

ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ پوری دنیا میں چاند کا طلوع ایک دن میں نہیں ہوتا، بلکہ مشرق وسطی میں برصغیر سے ایک یا دو دن پہلے نظر آجاتا ہیا ورعرب ممالک اور برصغیر ہندوستان و پاکستان اور بنگلہ دیش کی تاریخوں میں فرق ہوتا رہتا ہے تو مذہبی تقریبات کن لوگوں کی تاریخ پر منائی جائے؟ ! اگر ہر جگہ رویت کو معتبر کیا جائے تو عبادت بیک وقت ادا نہیں ہوسکتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عبادت کے لیے ہر جگہ کی رویت کو مستند قرار دیا جائے گا، کیوں کہ اسلام ایک آفاقی مذہب ہے، سارے انسانوں کے لیے تمام مقامات اور تمام زمانوں کے لیے ہے تو ساری دنیا میں بیک وقت عبادات ادا کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔

مثلاً مکہ مکرمہ کی اذان صبح کے مطابق انڈونیشیا میں نماز فجر ادا کرنا ممکن نہیں ہے، اسی طرح مکہ مکرمہ کے آفاق ومطالع کے موافق آسٹریلیا میں عید منانا ممکن نہیں ہے۔ تو مسجد حرام کی نماز اپنے وقت پر ادا ہوگی، انڈونیشیا کی نمازیں اپنے وقت پر، نیز حج، جو مقامی عبادت ہے، وہ مکہ ہی کے افق کے مطابق ادا ہوگی اور مشرق بعید کے ممالک میں عید وغیرہ اپنے اپنے مطلع کے مطابق ادا ہوں گی اور یہ کوئی نقص نہیں ہے، یہ فرق تو عیسائیوں اور ہندوؤں کے شمسی حساب میں بھی ہے، مثلاً جس وقت ویٹی کن میں کرسمس کا گھنٹہ بجتا ہے اس سے تقریباً گیارہ گھنٹے قبل جزیرہ سخالین میں کرسمس کی عبادت ہوچکی ہوتی ہے اور جس وقت بنارس میں بسنگ پنچمی کا اعلان ہوتا ہے ٹھیک اسی وقت ماریشس میں نہیں ہوتا۔ تو یہ بات کہ تقریبات بیک وقت ادا نہیں ہوسکتیں، قمری ہجری تقویم کے سلسلے میں بطور اعتراض پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ تقویم قمری ہجری اختیار کرنے کی صورت میں جن دقتوں اور پریشانیوں کا ذکر کیا جاتا ہے وہ سب واہمہ ہیں، عرب ممالک بالخصوص سعودی عرب، جہاں اسلامی ہجری تقویم نافذ ہے وہاں کے کیلنڈر اور حساب کتاب میں کبھی ابہام نہیں پایا گیا اور کسی کو کوئی دقت اور اعتراض بھی نہیں۔

شمسی اور قمری تاریخ کے متعلق آخری اور اہم بات حضرت مفتی اعظم کے اس اقتباس میں ہے کہ مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں کہ:　　بقیہ ص: ۵۵ پر

دارالعلوم تحفیظ القرآن سکٹھی ایک مشن:

مولانا عبدالعظیم قاسمی
ناظم دارالعلوم تحفیظ القرآن سکٹھی مبارکپور

ماہ شوال سے عربی اسلامی مدارس کا تعلیمی سال شروع ہوتا ہے اور شعبان المعظم میں تعلیم وتربیت کا رَواں دواں قافلہ ٹھہر جاتا ہے، اس کے بعد تعطیل کلاں میں رمضان المبارک کا پورا مہینہ گذر جاتا ہے، کم وبیش ہندوستان و پاکستان اور برصغیر کے تمام علاقوں کا یہی اصول عربی مدارس میں صدیوں سے رائج ہے۔

یہ تینوں مراحل اپنے اپنے لحاظ سے بہت اہم ہیں، اگر شوال میں طالبان علوم نبویہ کے وفود وقافلے امنگ وحوصلے سے لبریز، تلاش وجستجو سے سرشار اپنے اپنے گھروں سے ہندوستان کے مختلف مدارس کا رخ کرتے ہیں تو اہل مدارس وذمہ داران مراکز علمیہ کی بھی سرگرمیاں سال کے آغاز میں فزوں تر ہوجاتی ہیں، آنے والے مہمانان رسول کے داخلے، قیام وطعام اور درجات کی تعیین کا نظم کرنا، پھر درس وتدریس کا اصل سلسلہ شروع کرنا بہت اہم مرحلہ ہوتا ہے۔

رجب وشعبان کے دومہینوں میں، مدرسہ وجامعہ کی تعلیمی کارکردگی، نصاب تعلیم کی تکمیل اور سالانہ اختتامی جلسوں اور طلبہ عزیز کے ثقافتی واصلاحی اور دعوتی پروگراموں میں مدارس کا عملہ جٹا ہوتا ہے، اگر ایک جانب طلبہ عزیز رات دن محنت میں لگ جاتے ہیں، یہاں تک کہ عام طور پر کھلاڑی قسم کے لاپرواہ طلبہ بھی کتابوں کی ورق گردانی، پڑھے ہوئے اسباق کے مراجعہ ومذاکرہ میں جٹ جاتے ہیں، کیوں کہ ان کو سالانہ امتحان کے مشکل مرحلہ کا سامنا کرنا ہے، ان کے والدین کی نگاہیں ان کے نتائج پر ہوتی ہیں، ان ہی امتحانات کے ذریعہ طلبہ عزیز کی محنتوں اور صلاحیتوں کا علم سرپرستوں اور والدین واقارب کو ہوتا ہے، اسی کے ساتھ مدارس کے معیار تعلیم وتربیت اور اساتذہ کرام کی جانفشانیوں، لیاقتوں کا جائزہ بھی سامنے آجاتا ہے، جو عام طور پر مدارس کی عزت وشہرت پر مثبت یا منفی طور سے

اثرانداز ہوتے ہیں۔

اللہ رب العزت کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ دارالعلوم تحفیظ القرآن کو اس نے اپنے فضل وکرم سے مختصر مدت میں عزت وشہرت سے ہمکنار کیا، اپنے محدود وسائل اور حالات کے تغیرات کے باوجود پورے سال دارالعلوم میں عزیز طلبہ کی تعلیم وتربیت اپنے متعینہ اصولوں کے تحت پُرسکون ماحول میں بحسن وخوبی چلتی رہی، اساتذہ کرام نے (خواہ درجات پرائمری واطفال کے ہوں، یا عربی وحفظ) سبھی نے محنت ولگن اور اخلاص کے ساتھ اپنے طلبہ پر توجہ دی، طلبہ عزیز نے بھی گذشتہ سالوں کے مقابلے میں زیادہ دلچسپی اور شوق کا مظاہرہ کیا، حالانکہ نوٹ بندی کے باعث اور بے تحاشا گرانی و مہنگائی کی وجہ سے دارالعلوم تحفیظ القرآن کا سالانہ بجٹ بہت زیادہ متأثر ہوا اور اساتذہ کرام نے بغیر کسی مطالبے اور ناگواری کے خوش دلی سے اپنی مفوضہ ذمہ داری کو پورا کیا، یہی ان کے اخلاص و بے لوثی کا ثبوت ہے، جو کسی بھی تربیت گاہ اور تعلیم گاہ کی ترقی اور نیک نامی کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے۔

الحمدللہ دارالعلوم تحفیظ القرآن کے سالانہ امتحانات کے نتائج بہت حوصلہ افزا رہے، درجہ حفظ کے دو نئے حافظ طلبہ نے ایک ہی مجلس میں پورا قرآن سنا کر یہ ثابت کر دیا کہ ان کے باکمال مخلص اساتذہ دل وجان سے ان پر محنت کرتے ہیں، ان دونوں بچوں کی اس اعلیٰ صلاحیت کے پیچھے ان کے اساتذہ کی صلاحیت کارفرما ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمارے ادارے کو ایسے محنتی طلبہ واساتذہ مل گئے جو ان شاء اللہ مدرسہ کی روحانی ودینی ترقیات میں اہم کردار ادا کرتے رہیں گے اور جس عظیم مقصد کے لیے ہم نے یہ ادارہ قائم کیا اور ترقی کا جو خواب دیکھا ہے، وہ بہت جلد شرمندۂ تعبیر ہوگا۔

کسی بھی دینی وتعلیمی ادارہ کی تعمیر وترقی میں مسلمانوں کے مالی تعاون کا بہت زیادہ دخل ہوتا ہے، انھیں مخیّر حضرات کے تعاون سے اللہ تعالیٰ علوم اسلامیہ کے کارواں کو منزل کی جانب تیز گام رکھتا ہے؛ لہذا صرف مدارس کے ذمہ دار اور اساتذہ وطلبہ مدارس کا حصہ نہیں ہوسکتے، بلکہ عامۃ المسلمین کی مدد واعانت تعلیمی مراکز کی ترقی ونیک نامی میں ریڑھ کی ہڈی ہوتی ہے۔

ہمارے بزرگوں نے بہت ہی دور اندیشی اور حکمت عملی سے ہندوستان کے عربی مدارس اور اسلامی مکاتب کا رابطہ عام مسلمانوں سے ''عوامی چندہ'' کے ذریعہ جوڑ دیا ہے، اس کا ثمرہ ہے کہ آج ہندوستان کے مسلمان اپنے تعلیمی مراکز سے ایمانی وجذباتی طور پر اس طرح جڑے ہوتے ہیں کہ دونوں کو الگ الگ نہیں دیکھا جاسکتا۔ اگر ان مخیّر ایثار پسند مخلص مسلمانوں کا مالی ومادی تعاون مدارس

کے وجود و بقا اور ترقی کا بنیادی وسیلہ ہے تو مسلمانوں کے عقائد و افکار اور اعمال کی درستگی میں انھیں مدارس کا سب سے بڑا کردار ہے۔ ورنہ سلطنت مغلیہ کے سقوط اور برطانوی سامراج کے تسلط کے بعد یقینی طور پر برصغیر ہند و پاک اور بنگلہ دیش بھی اسپین ثانی بن چکے ہوتے اور ہندوستان کی تاریخ بھی آج کے برعکس کچھ اور ہوتی!!۔

لہٰذا ضرورت ہے کہ مسلمانان ہند ہر صورت میں اپنے ان دینی وفکری اور تعلیمی اداروں کو محفوظ و مضبوط بنائیں؛ کیوں کہ انھیں مدارس سے مسلمانان ہند کی دینی و ایمانی شناخت قائم ہے اور کوئی بھی زندہ قوم کسی بھی حالت میں اپنے عقیدہ و ایمان اور مسلک و مذہب سے دست بردار نہیں ہو سکتی اور اس کے لیے ایثار و قربانی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی۔

اس وقت جو حالات ہیں وہ مسلمانوں کے اسلامی وملی تشخص اور دینی شعائر اور ایمانی خصوصیات کے لیے انتہائی سنگین اور تشویش ناک ہیں، اگر ہمارا اسلامی وجود اور علمی پہچان برقرار رہ سکتی ہے تو انھیں مدارس و معاہد کے ذریعہ قائم رہ سکتی ہے، اس لیے ان کی حفاظت و اعانت اور ان سے وابستگی مسلمانان ہند کا اولین فریضہ ہے۔

دارالعلوم تحفیظ القرآن ایک مشن ہے:

مسلمانوں کو اپنے معالم و شعائر کو باقی رکھنے کے لیے ہمہ جہت پیمانہ پر محنت کرنے کی ضرورت ہے اور جیسا کہ میں نے کہا کہ انھیں مدارس نے نازک حالات میں اسلامیان ہند کے ملی تشخص کو باقی رکھا اور آئندہ بھی یہی مسلمانوں کا مرکز و محور ہوں گے۔

ہم نے دارالعلوم تحفیظ القرآن کی بنیاد اسی جذبۂ خالص کے ساتھ رکھی تھی کہ آنے والے سالوں میں نئی اسلامی نسل کی تعلیم و تربیت کا ایسا مرکز بنے گا جس کے ذریعہ نونہالان ملت کے معصوم دلوں میں ایمان خالص کی تخم ریزی کی جائے گی، ان کا رشتہ قرآن و سنت سے مضبوط کیا جائے گا، ان کو ایک باکمال عالم، دین دار حافظ قرآن بنانے کے ساتھ ساتھ حساس و ذمہ دار شہری بھی بنایا جائے گا، جو اپنے ملک و قوم کے حق میں ہر لحاظ سے نفع بخش اور قابل فخر ہوگا، جو قوم کی دینی وفکری اصلاح اور معاشرہ کی تعمیر میں اپنا اسلامی کردار ادا کرنے میں بیباک اور جری ہوگا؛ لہٰذا دارالعلوم تحفیظ القرآن محض ایک مکتب اور مدرسہ سے بڑھ کر ایک اصلاحی، سماجی اور اسلامی مشن ہے، جو ہر دم جاری رہنے کے لیے وجود میں آیا ہے، اللہ کا فضل و کرم ہے کہ دارالعلوم نے اپنی مختصر زندگی کے سات سالہ دور میں

مخیرّ و ہمدرد مسلمانوں کے فکری و مالی تعاون سے زبردست ترقی اور کامیابی حاصل کی ہے۔

اب جب کہ حالات سنگین بنائے جارہے ہیں، فرقہ پرست عناصر کھل کر اسلامی تشخصات کے خلاف متحد و سرگرم ہو چکے ہیں، تمام مسلمانوں کو ذاتی نقصان وزیاں سے بے نیاز ہو کر اپنی نئی نسل کے ایمان وعقائد اور دینی افکار کی حفاظت کرنا، ان کے تابناک و محفوظ مستقبل کی فکر کرنا لازم ہے۔ اور یہ اسی صورت میں پایۂ تکمیل کو پہنچ سکتا ہے جب کہ دارالعلوم تحفیظ القرآن جیسے اداروں کی بے لوث مدد کی جائے تا کہ ایمان وعزیمت کا یہ کارواں دن دونی رات چوگنی ترقی کرتا رہے۔

آئندہ کے منصوبے اور عزائم:

دارالعلوم تحفیظ القرآن کی گذشتہ سال کی کاروائی کا مختصر خاکہ میں نے گذرے ہوئے صفحات میں پیش کیا ہے، آئندہ کے عزائم ومنصوبے کا مجوزہ خاکہ درج ذیل ہے:

(۱) درسگاہوں کی قلت کے باعث شعبۂ اطفال و پرائمری درجات کی تعلیم مسجد بیت المجید میں ہوتی رہی ہے، جب کہ مکتب کو مدرسہ کی حدود میں منتقل کرنے اور نظام تعلیم وتربیت کو چست ودرست رکھنے کے لیے جدید درس گاہوں کی تعمیر کی اشد ضرورت ہے۔

(۲) جامعہ خدیجۃ الکبریٰ: لڑکیوں کی تعلیم گاہ جامعہ خدیجۃ الکبریٰ (مکتب تاعربی دوم) ایک ہمدرد کی زمین پر عارضی طور پر جاری ہے، اس کے لیے مستقل عمارت کی تعمیر بھی پروگرام کا حصہ ہے اور زمین کی خریداری کے لئے خطیر رقم کی ضرورت ہے۔

ملت اسلامیہ کے تمام بہی خواہوں سے گزارش ہے کہ دارالعلوم تحفیظ القرآن سکٹھی کو اپنی خصوصی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اور درج ذیل طریقوں سے ادارے کا تعاون فرمائیں:

(۱) ادھورے اور نامکمل تعمیری کاموں کو مکمل کرادیں۔ بچوں کی موجودہ تعداد کے لحاظ سے مدرسہ کی عمارت تنگ ثابت ہورہی ہے، رمضان کی تعطیل میں فوری طور پر ٹین شیڈ پر مشتمل ۶ رکمروں کی تعمیر از حد ضروری ہے، اس کیلئے خصوصی توجہ کی درخواست ہے۔

(۲) اپنے یا اپنے والدین یا کسی عزیز کے نام سے کوئی کمرہ تعمیر کرادیں۔

(۳) کسی نادار طالب علم کا سالانہ خرچ اپنے ذمہ لے لیں یا کسی استاد کی تنخواہ کا مکمل انتظام فرمادیں۔ (ایک استاد کی تنخواہ سالانہ تقریباً ستّر سے اسّی ہزار، اور ایک طالب علم کا سالانہ خرچ تقریباً ۱۰ رہزار روپے ہے)

(۴) کتب خانے کے لئے کتابوں کا نظم اور اس کو رکھنے کیلئے الماریوں کا انتظام کردیں۔

(۵) یہاں صاف پانی کی دشواری ہے، اس کا نظم فرمادیں۔

(۶) بجلی کی ناقص سپلائی کی وجہ سے روشنی کے لئے ایک جنریٹر کی انتہائی شدید ضرورت ہے۔

(۷) موجودہ بلڈنگ کے بالائی ہال میں پارٹیشن دے کر درس گاہوں کی کمی دور کیا جاسکتا ہے، تاکہ حفظ وتجوید اور شعبۂ عربی کے درجات کو وہاں منتقل کیا جاسکے۔

(۸) مدرسہ اپنے محل وقوع کے اعتبار سے انتہائی موزوں اور بارونق جگہ پر واقع ہے، لیکن باؤنڈری نہ ہونے کی وجہ سے جانوروں کی آمد ورفت سے کافی دقت ہوتی ہے اور نقصان بھی ہوتا ہے۔ اس لئے چہار دیواری کی اشد ضرورت ہے۔

(۹) مدرسہ سے متعلق مسجد بیت المجید اور جامع مسجد دار السلام دونوں میں نماز پنجگانہ ادا کی جارہی ہے، لیکن ابھی صفائی وغیرہ کا کام باقی ہے، مسجد دار السلام میں وضوخانے کا کام جاری ہے اور تعاون کی سخت ضرورت ہے۔

تمام معاونین سے دعاؤں اور تعاون کی درخواست ہے۔

☆☆☆☆☆

بقیہ صفحہ ۴ کا

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خاص صفت یہ بتائی گئی ہے کہ آپس میں بہت رحم دل تھے اور کفار کے حق میں بہت سخت تھے، تو ان کی سختی کفر وشرک کے باعث تھی، کیوں کہ ایمان وکفر جمع نہیں ہوسکتے، مگر انسان تو دونوں ہیں، لہٰذا انسانیت کی بنیاد پر تعلقات تھے، لین دین، خرید وفروخت، کاروبار وتجارت سب ہوتا تھا، ایک دوسرے کی مدد کرنا، ان کی مصیبتوں، خوشیوں میں شریک ہونا، اسلام کی تعلیمات کا حصہ ہیں؛ مگر اسلامی اصولوں سے روگردانی اور ایمانی تقاضوں سے پہلو تہی گوارا نہیں، من حیث المسلمین تمام مسلمانوں کا متحد ہونا واجب ہے اور جو مومن صادق ہوگا وہ بہترین انسان ضرور ہوگا، اپنے پڑوسیوں کے ساتھ اس کے بلاتفریق مذہب وعقیدہ اچھے تعلقات ہوں گے۔

ضروری ہے کہ ہم اپنے ایمان ونظریہ اور عقیدہ ومسلک پر مضبوطی سے کاربند رہ کر دوسری قوموں کے ساتھ ایسے تعلقات رکھیں کہ ہمارے اخلاق کی چھاپ ان پر پڑے اور اپنی بربادی اور خرابی کا الزام کسی پر دھرنے سے پہلے اپنے آپ کا جائزہ لیں، اپنے کردار پر نظر ڈالیں کہ ہمارا عمل ہمارے نظریہ وعقیدہ سے متصادم تو نہیں ہے۔☆☆☆

مولانا نوشاد احمد صاحب اعظمیؒ

وفات: ۶/اپریل ۲۰۱۷ء، ۸/رجب ۱۴۳۸ھ جمعرات

ضیاء الحق خیر آبادی

موت ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کسی کو انکار نہیں، اور کسی کو یہ بھی معلوم نہیں کہ کون کب اور کہاں موت کی آغوش میں پہونچ جائے گا، مَاتَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ، کی تفسیر ہم آئے دن عملی شکل میں دیکھتے ہیں۔ ابھی چند ماہ قبل جمعیۃ علماء ہند کے آرگنائزر مولانا نوشاد احمد صاحب اعظمی کی وفات حسرت آیات کا سانحہ پیش آیا جس نے ان کے ہزاروں متعلقین ومتعارفین کو رنج وغم کی ناقابل بیان کیفیت سے دوچار کردیا، ایسا متحرک وفعال انسان اس طرح چلتے پھرتے آناً فاناً ہمارا ساتھ چھوڑ جائے گا، کسی نے سوچا بھی نہ تھا، اس لئے کئی دنوں تک یقین نہیں آرہا تھا کہ ایسا ہوچکا ہے، لیکن جو چیز ایک حقیقت بن چکی ہو اسے خواب کیونکر قرار دیا جاسکتا ہے، اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی مغفرت فرمائیں اور اعلیٰ علیین میں جگہ دیں۔

۶/اپریل جمعرات کو میں دہلی میں تھا، مولانا مرحوم کے صاحبزادے عزیزم مولوی حافظ محمد سلّمہٗ کا فون آیا کہ ابا کا انتقال ہوگیا، جو کچھ تفصیل انھوں نے بتائی اس سے معلوم ہوا کہ مولانا جونپور کے ''ڈھنڈوارہ'' نامی گاؤں سے واپس اعظم گڈھ آرہے تھے، کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا چند لمحوں کے بعد کیا ہونے والا ہے، ''امباری'' کے پاس اچانک طبیعت خراب ہوئی، ٹیمپو پر بیٹھے بیٹھے آگے کو جھک گئے اور لڑھک کر زمین پر آگئے، لوگوں نے اٹھایا تو روح قفس عنصری سے نکل کر رب العالمین کے حضور پہونچ چکی تھی، چند گھنٹوں میں یہ خبر پورے ملک میں پھیل چکی تھی کہ جمعیۃ علماء کے ایک مخلص وفعال کارکن، سراپا حرکت وعمل، عوام الناس کی خدمت کے لئے ہمہ دم سرگرم ورواں دواں رہنے مولانا نوشاد صاحب اب ہمارے درمیان نہیں رہے۔ **اناللّٰہ وانا الیہ راجعون**

مولانا نوشاد صاحب اعظمی کون تھے اور کیا تھے؟ عام مسلمان تو شاید یہ جان سکیں، لیکن ان کی خدمات اور اہمیت وحیثیت سے جمعیۃ علماء ہند کے نظریہ اور فکر سے متفق اور خانوادۂ شیخ الاسلامؒ الفت

وقربت رکھنے والے لاکھوں افراد خوب جانتے ہیں۔مشرقی یوپی کے اضلاع اعظم گڈھ،مئو، جون پور، غازی پور، بنارس،بستی وغیرہ کے تقریباً ہر گاؤں اور قصبہ ہی میں نہیں چھوٹے چھوٹے دیہات کے مسلمان، ہندو سب مولانا مرحوم کو جمعیۃ علماء ہند کے بےلوث خادم اور بے باک کارکن کی حیثیت سے جانتے تھے۔خدمت خلق مولانا مرحوم کا خاص وصف تھا، دہلی میں جہاں ان کا قیام رہتا تھا، جب بھی کسی کو کوئی مشکل پیش آتی تو مولانا ہر طرح کی مدد کے لئے تیار اور حاضر رہتے تھے،اس کے لئے ان یہاں رات دن کی کوئی قید نہیں تھی،جس وقت بھی کہیں جانا ہوتا بغیر عذر کے حاضر رہتے۔

۱۹۹۹ء تک ہمارے اطراف کے حجاج کی فلائٹیں دہلی سے ہوا کرتی تھیں،مولانا نوشاد صاحب کی وجہ سے ہر حاجی کا قیام دفتر جمعیۃ میں ہوتا تھا،حجاج اپنے تمام کاغذات مولانا مرحوم کو سونپ مطمئن ہو جاتے تھے،مولانا تمام کارروائی کروا کے کاغذات ان کے حوالے کر دیتے تھے،ان کا یہ معاملہ سب کے ساتھ، جان پہچان ہو یا نہ ہو۔یہ سب منظر میں نے خود اپنی آنکھوں سے بارہا دیکھا ہے۔ایک ایک وقت میں کئی کئی لوگ اپنے مسائل بیان کر رہے ہیں،مولانا سب کی سن رہے ہیں، سب کو دلاسا دے رہے ہیں،کبھی کبھی جھنجھلا کر ڈانٹ بھی رہے ہیں،لیکن کام سب کا کر رہے ہیں،کسی کو ہسپتال لے جا رہے ہیں، کسی کا ریزرویشن کرانے ، کسی کو ٹرین میں سوار کرنے ریلوے اسٹیشن جا رہے ہیں، کسی کو ٹیمپو میں لے کر کسی آفس میں جا رہے ہیں، کسی کو جامع مسجد لے جا کر سامان کی خریداری کروا رہے ہیں، ان کی خدمات کا دائرہ اتنا وسیع اور متنوع تھا کہ سوچ سوچ کر حیرت ہوتی ہے۔خود مجھے ایک مرتبہ دارالعلوم دیوبند میں داخلے کے بعد کمرے میں سیٹ کا مسئلہ پیش آیا،تو فوراً ذہن مولانا مرحوم کی طرف گیا،ان کیلئے دہلی اور دیوبند گھر آنگن والا مسئلہ تھا، دیوبند آئے تو میں اپنی مشکل ان کے سامنے رکھی،اس وقت ناظم دارالاقامہ حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب تھے،مولانا مجھے لے کر فوراً حضرت قاری صاحب کے پاس لے گئے،اورنہایت بے تکلفی میاں بھائی میاں بھائی کہہ کر مسئلہ پیش کیا،حضرت قاری صاحب نے فرمایا کہ اس کمرے کے لئے ۴۳ اوسط کا ہونا ضروری ہے،تو مولانا نے کہا کہ دیکھ لیجئے ، خیر مطلوبہ اوسط تھا،اسی وقت حضرت قاری صاحب نے وہ سیٹ میرے نام کر دی،اس طرح کے بہت سارے مسائل ان کی ایک نگاہ توجہ سے حل ہو جاتے تھے۔

دفتر جمعیۃ مسجد عبد النبی کے بائیں جانب دوسری منزل پر دس بائی دس کا ایک کمرہ ان کی قیام گاہ تھا،ان کی قیام گاہ کیا؟ سچ کہئے تو ان کے مہمانوں کی مستقل قیام گاہ جس کے وہ غیر رہائشی مقیم تھے،

پروانچل کے سبھی اضلاع کے مہمان روزانہ بھرے رہتے تھے، ایک جا رہا ہے تو دوسرے کئی چلے آ رہے ہیں، پورے سال یہی معاملہ رہتا تھا، مسجد عبد النبی میں آنے والے مہمانوں کی ایک بڑی تعداد مولانا نوشاد صاحب کو ہی تلاش کرتی تھی۔ کہنے کو تو وہ ایک آرگنائزر تھے، لیکن فدائے ملت سے لے کر قائد ملت تک ہر جگہ مولانا مرحوم کی پہونچ تھی، سب مولانا مرحوم پر بے حد اعتماد کرتے تھے، چنانچہ انتقال کے بعد حضرت مولانا سید ارشد مدنی بھی اور ان کے برادر خورد مولانا سید اسجد مدنی دونوں حضرات تعزیت کے لئے مولانا مرحوم کے دولت کدہ پر حاضر ہوئے۔

مولانا مرحوم جمعیۃ علماء کے لئے ملک کے طول وعرض کا سفر مسلسل کرتے رہتے تھے، کب کہاں ہوں گے کسی کو معلوم نہیں ہوتا تھا، آج بستی میں ہیں تو دوسرے دن گورکھپور میں نظر آ رہے ہیں، صبح کو کسی نے مئو میں دیکھا تو شام کو اعظم گڈھ میں نظر آ رہے ہیں، صبح ہوتے ہی بنارس کے لئے بس میں سوار ہو رہے ہیں، اور رات بارہ بجے خیرآباد میں موجود! دوپہر میں کوپاگنج تو رات میں مبارکپور، یہی ان کی زندگی تھی، جمعیۃ کے لئے جینا اور اسی کی خدمت کرتے کرتے دنیا سے چلے جانا، اپنے آخری سفر میں ''ڈھنڈوارہ'' بھی فراہمی مالیات ہی کے لئے گئے تھے اور چندے کی رقم لے کر واپس آ رہے تھے کہ اثنائے راہ سفر آخرت پر روانہ ہو گئے۔ میری ان سے آخری ملاقات کٹولی میں عید کے موقع پر ہوئی تھی، جہاں میں اپنے عزیز دوست مولانا مفتی فیض احمد صاحب سے ملنے گیا تھا، مولانا چندہ ہی کے سلسلے میں وہاں پہونچے ہوئے تھے، مفتی فیض صاحب کے بھائی مولانا ڈاکٹر ارشد صاحب جمعیۃ کے ایک فعال رکن ہیں، ان کے پاس جمعیۃ کی کچھ رقم تھی، اسی سلسلے میں مولانا پہونچے تھے، مجھ سے کہنے لگے یہ قلم اور رسید لو اور ساری رسیدیں بنا دو، تیس چالیس کے قریب رسید بنائی، خوش ہوئے، دعا دی، اس کے بعد پھر ملاقات نہ ہو سکی۔

مولانا مرحوم ایک بے خوف، نڈر اور دھن کے پکے انسان تھے، ان کی زندگی عجب ہنگامہ خیز تھی، کہیں سکون اور چین سے نہیں رہتے تھے، جمعیۃ علماء سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے، حالات چاہے کتنے ہی مخالف ہوں وہ جمعیۃ کی ترجمانی سے نہیں چوکتے تھے، کسی سے مرعوب ہونا اور دبنا تو جانتے ہی نہ تھے، ایک مرتبہ آئے تو کہنے لگے کہ بنارس ریلوے اسٹیشن پر ٹکٹ لے رہا تھا، میرے پیچھے ایک ہندو تھا، اس نے مجھے ''میاں چپاں'' کہہ دیا، مجھے بہت غصہ آیا، تو تو میں میں سے بات آگے بڑھ کر حرب وضرب تک بات جا پہونچی، یہ پہلوان تو تھے ہی اسے اٹھا کر پٹخ دیا، لوگوں نے کسی طرح بیچ

بچاؤ کرایا، وہ شخص کہنے لگا کہ بوڑھ سمجھ کے چھوڑھ دہلیں (بوڑھا سمجھ کے چھوڑ دیا ہے) کہنے لگے کہ یہ سن کر مجھے آگ لگ گئی، اور میں دوبارہ پٹخ کے سینے پر چڑھ گیا۔ پھر لوگوں نے کسی طرح الگ کیا، یہ ان کا مزاج تھا۔ اگر کوئی جمعیۃ یا اکابر جمعیۃ کے خلاف کچھ کہہ دے تو ایک دم سے مرنے مارنے پر آمادہ ہوجاتے تھے، جمعیۃ کے لئے انھوں نے اپنی زندگی کو تج دیا، گھر کے مسائل کو درکنار کردیا، گھر پر رہنے کا اتفاق بھی کم ہی ہوتا تھا، یا تو سفر میں ہوتے تھے یا دہلی دفتر میں، وہاں بھی لوگوں کی خدمت اور مدد کا سلسلہ ہرآن جاری وساری رہتا تھا۔

دھن اور لگن کا حال یہ تھا کہ ایک بار بتانے لگے کہ جب احیاء العلوم میں پڑھ رہا تھا تو کشتی کا بہت شوق تھا، اس وقت اس اطراف میں کشتی کے مقابلے (دنگل) ہوا کرتے تھے، جس میں شرکت لازمی ہوتی تھی، ایک بار ناظم جامعہ مولانا عبدالباری صاحب نے پابندی لگادی کہ کوئی بھی دنگل میں شریک نہیں ہوسکتا، کہنے لگے کہ یہ سن کر بہت پریشان ہوا، ناظم صاحب کے یہاں حاضر ہوا، انھوں نے سختی سے منع کیا، پھر کہنے لگے کہ ایک شرط پر جانے کی اجازت مل سکتی ہے، میں کہا کہ کیا؟ فرمایا کہ مدرسہ کے سارے بیت الخلاء صاف کردو اور چلے جاؤ، وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ تو ممکن نہیں ہے کہ یہ ایسا کر پائے گا، لیکن مولانا نوشاد صاحب جس مٹی کے بنے تھے اس میں کوئی چیز ناممکن نہیں تھی، فوراً جا کر کپڑا بدلا اور سارے بیت الخلاء کو صاف کر کے ناظم صاحب کے پاس آئے اور کہا کہ چل کر دیکھ لیجئے میں نے سب صاف کردیا ہے، ناظم صاحب حیران رہ گئے اور کہنے لگے کہ اب تو اجازت دینی ہی ہوگی۔

مولانا کی شخصیت کیسی ہنگامہ خیز تھی، اس کے لئے میں ان کے سفر حج کے رفیق مولانا شفیق احمد صاحب قاسمی (کٹولی) کی تحریر کا ایک اقتباس پیش کرتا ہوں:

> فراغت کے بعد امارات کا سفر ہوا، پہلے ہی فرصت میں حج کی تیاری شروع ہوگئی، امارات ہی سے چندلوگوں کے ساتھ حج کا پروگرام بن گیا مگر اسی دوران اچانک انڈیا جانا پڑ گیا، گھر پر مفتی فیض (ڈاکٹر ارشد کے بھائی) صاحب سے حج کے پروگرام سے متعلق تذکرہ ہوا، انہوں نے کہا اگر انڈیا سے پروگرام بنائیں تو میں بھی چلوں؟ والد صاحب سے مشورے کے بعد پروگرام بن گیا، اس پروگرام کی خبر اسی مذکورہ بالا شخصیت کو بھی ہوگئی، وہ بھی ہمارے پروگرام میں شامل ہوگئی۔
>
> میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر ۔۔۔ راہ رو آتے گئے اور قافلہ بنتا گیا
>
> بس وہ بھائی بہن، میں میاں بیوی، مفتی فیض صاحب اپنی بیوی اور نانی کے ساتھ۔ یہ قافلہ بنارس ٹرین سے ہنگامہ خیز شکل میں شروع ہوتا ہے، اس ہنگامہ خیز شخصیت کا ہنگامہ پورے سفر

جاری رہا، ٹرین میں ہنگامہ، جہاز میں ہنگامہ، مکہ میں ہنگامہ، مدینہ میں ہنگامہ قدم قدم پر ہنگامہ، مدینہ میں ایک غیر مقلد کے ساتھ اس قدر ہنگامہ ہوا کہ جیل میں جاتے جاتے بچے۔ اس شخصیت کے ساتھ یہ سفر بڑا ہی پُر لطف اور ہنگامہ خیز رہا، وہ شخصیت تھی مولانا نوشاد صاحب مرحوم کی۔ افسوس کہ یہ شخصیت اب ہمارے درمیان نہیں رہی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

جمعیۃ علماء سے تعلق کا حال یہ تھا کہ کہیں بھی پروگرام ہو کہیں بھی اجلاس ہو یہ حاضر، ایک بیگ ہاتھ میں ہوتا تھا، اس میں کھادی کے چند جوڑے کپڑے، کچھ دوائیں، رسید و کاغذات، کسی طرح کی نمائش اور ٹیم ٹام نہیں، صاف ستھرا کپڑا زیب تن ہوتا، اور ایک رومال، یہی کل سرمایۂ سفر تھا، جو ملا کھالیا، جہاں جگہ ملی سو گئے۔ عموماً مدارس میں قیام کرتے تھے، لیکن حال یہ ہوتا تھا، آئے، سامان رکھا اور فوراً نکل گئے، کسی سے ملنا ہے، کسی کی عیادت کرنی ہے، کسی کے یہاں تعزیت میں جانا ہے، عجب رنگ ڈھنگ تھا، انتقال سے کچھ بھیونڈی اپنے صاحبزادے مولوی محمد سلّمہٗ کے پاس تقریباً مہینہ بھر رہ گئے، وہ کہنے لگے کہ ۳؍مارچ کو بمبئی میں مولانا ارشد مدنی صاحب کا پروگرام تھا، ابا نے رات میں کہا کہ میں ایرپورٹ جاؤں گا مولانا کو لینے، اس وقت گیارہ بج رہے تھے، میں نے کہا کہ ابا اس وقت کیا جایئے گا اب صبح چلیں گے، اس وقت تو مان گئے، میں نے سونے چلا گیا، صبح فجر وقت دیکھ رہا ہوں تو ابا کمرے میں نہیں ہیں، میں نے فون لگایا تو کہنے لگے کہ میں تھانے کے قریب پہونچ رہا ہوں، دو بجے اٹھے اور ٹیمپو سے نکل گئے، بمبئی پہونچ کر دفتر جمعیۃ گئے اور وہاں سے ایرپورٹ، یہ ان کی طبیعت تھی۔

مولوی محمد سلّمہٗ کہتے ہیں کہ جب ابا جانے لگے تو میں نے ان کے لئے ان کی ضروریات کے بہت سارے سامان جوتا چپل اور کپڑے وغیرہ ساتھ کر دیئے تو کہنے لگے تم تو اس طرح رخصت کر رہے ہو جیسے ہمیشہ کے لئے رخصتی ہو، انھیں کیا پتہ معلوم تھا واقعی یہ آخری رخصتی ہی ہے۔

جب تک مولانا زندہ تھے، اس جانب ذہن ہی نہیں جاتا تھا کہ وہ کب پیدا ہوئے، کہاں تعلیم حاصل کی اور کہاں سے فراغت حاصل کی، کہاں تدریسی خدمات انجام دیں؟ اب جب وہ دنیا میں نہیں رہے تو اس کی جستجو ہوئی۔ مختصر سوانحی حالات یہ ہیں:

مولانا کا سن ولادت ۱۹۴۰ء ہے، بالکل ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی، وہ کہتے تھے کہ مولانا عبدالحی چشتی علیہ الرحمہ میرے استاد تھے، اس کے بعد پرائمری سے لے کر عربی پنجم تک تعلیم مشرقی یوپی کی ممتاز و بافیض درسگاہ جامعہ احیاء العلوم مبارکپور میں حاصل کی (بروایت مفتی محمد یاسر صاحب)۔

وہاں سے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے، جہاں ۱۹۶۴ء میں دورہ حدیث سے فارغ ہوئے، وہ کہتے تھے میں نے دیوبند میں شرح وقایہ مولانا سید اسعد مدنی علیہ الرحمہ سے پڑھی ہے، اس وقت تک مولانا اسعد صاحب دارالعلوم دیوبند میں مدرس تھے۔ فراغت کے بعد کچھ عرصہ گنگولی ضلع غازی پور میں تدریسی خدمات انجام دیں، وہاں سے ۱۹۷۷ء میں دہلی دفتر جمعیۃ میں آگئے تو پھر یہیں رہ گئے۔ جمعیۃ ہی کے ایک کام سے جون پور گئے تھے، اور وہیں سے سفر آخرت پر روانہ ہوگئے۔

پس ماندگان میں اہلیہ، دو بچے اور تین بچیاں ہیں۔ بڑے بیٹے عزیزم مولوی حافظ محمد سلّمہٗ ہیں، انھوں نے شیخو پور میں حفظ کیا اور عالمیت کے بعد دارلعلوم دیوبند گئے جہاں سے سندِ فضیلت حاصل کی۔ اس وقت بھیونڈی میں اپنا کاروبار دیکھتے ہیں۔ دوسرے صاحبزادے عزیزی احمد سلّمہٗ ہیں، انھوں نے شبلی کالج سے بی اے کیا، اور اپنے بھائی کے دست وبازو بنے ہوئے ہیں۔ بڑی بچی کا نکاح اپنے بڑے بھائی کے بیٹے ابوسعد صاحب سے کیا، ان کا بڑا بیٹا اسامہ سلّمہٗ اس وقت دارالعلوم دیوبند میں زیرِ تعلیم ہے، دوسری بیٹی جو ماشاء اللہ حافظ قرآن ہے، اس کا نکاح اپنے چھوٹے بھائی کے بیٹے عزیزم حافظ انیس احمد سلّمہٗ سے کیا، حافظ انیس سلّمہٗ نے شیخو پور سے حفظ کیا، اور اس وقت دبئی میں برسرروزگار ہیں، مولانا مرحوم کی یہ بچی ابھی تک اولاد کی نعمت سے محروم ہے، اللہ تعالیٰ اسے نیک وصالح اولاد عطا فرمائیں، آمین۔ چھوٹی بیٹی کا نکاح نصیر پور میں کیا، مولانا مرحوم اس لحاظ سے خوش قسمت تھے، کہ ساری اولادوں کا گھر بسا کر دنیا سے گئے۔ یہ سب اولادیں مولانا مرحوم کی دوسری بیوی سے ہیں، پہلی بیوی سے کچھ عرصہ کے بعد طلاق کی نوبت آگئی تھی، اس سے ایک لڑکی ہے، جس کی شادی محمد آباد گوہنہ کے قریب ایک گاؤں نتھو پور میں ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے، مغفرت اور جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، پسماندگان کو صبرِ جمیل اور،، المرء مع من احب،، کے تحت ہمیں بھی ان کی معیت نصیب فرمائے۔ آمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عزیزی حماد ضیاءؒ

(وفات: ۱۷/ذوالحجہ ۱۴۳۸ھ مطابق ۹/ستمبر ۲۰۱۷ء)

ضیاء الحق خیر آبادی

سنیچر کو مغرب وعشا کے درمیان میرے سب سے بڑے بیٹے حماد ضیاء کا ایک طویل علالت ومعذوری کے بعد انتقال ہوگیا، انا للہ و انا الیہ راجعون۔ عزیز مرحوم میری پہلی اولاد تھا، جو شادی کے تقریباً پونے تین سال کے بعد (۲۲/ذوقعدہ ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۴/جنوری ۲۰۰۲ء) کو پیدا ہوا۔ ایک طویل عرصہ کے بعد پیدا ہونے والی اولاد کے ساتھ والدین کو جو لگاؤ ہوتا ہے وہ کسی پر پوشیدہ نہیں ہے۔ اس کی نشو ونما عام بچوں کے مقابلہ میں بہت کم تھی، ابتداء میں تو ڈاکٹروں کو اس کا ادراک نہیں ہوا، لیکن جب اس کی عمر دو سال ہوگئی اور اس نے چلنا بولنا شروع نہیں کیا تب تشویش ہوئی، اور اس وقت سے جو علاج ومعالجہ کا سلسلہ شروع ہوا تو زندگی کی آخری سانس کے ساتھ ہی ختم ہوا۔

ڈاکٹروں کی تشخیص کے مطابق اس کے دماغ کی کوئی رگ بالکل مردہ تھی، اس لئے بولنے اور نقل وحرکت سے معذوری تھی، کافی علاج کے بعد ۶/سال کی عمر میں اس نے چلنا شروع کیا، لیکن بولنا اور اپنی کسی ضرورت کو بیان کرنا، اس سے تمام عمر معذوری رہی۔ اس لئے پوری زندگی اس کی ہر ہر ضرورت کا خیال رکھنا پڑتا تھا، اس سلسلے میں اس کی ماں نے بے مثال قربانی دی اور بے نظیر خدمت کی، باری تعالیٰ اسے اس پر اپنے شایان شان اجر دیں اور عزیز مرحوم کو اس کے لئے اور ہم سب کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائیں، اور اس کی خدمت کے سلسلے میں جو کمی کوتاہی ہم لوگوں سے شعوری یا غیر شعوری طور پر ہوئی اسے محض اپنے فضل وکرم سے معاف فرمائیں۔ آمین یا رب العالمین بحرمۃ سید المرسلین ﷺ

اس کی عمومی حالت یہ تھی کہ جب بھوک لگتی تو کچن میں پہونچ جاتا اور جس پیالی میں اسے کھانا کھلایا جاتا تھا اسے لے کر بیٹھ جاتا اور دیر ہوتی تو روتا، اس کی خوراک پوری زندگی دودھ روٹی یا دال کا پانی اور روٹی تھی، روٹی بالکل چورا کر کے گرم دودھ یا دال کے پانی میں ڈال دی جاتی تھی جب

وہ نرم ہوجاتی تو چمچ سے کھلایا جاتا تھا، پوری زندگی تینوں وقت یہ عمل کرنا ہوتا تھا، کھانے کے بعد کمرے میں یا چھت پر چلا جاتا اور ٹہلتا رہتا جب تک بھوک لگتی تو کچن میں آجاتا، بڑی دقت یہ تھی کہ حوائج ضروریہ کے بارے میں بھی کچھ نہیں بتا پاتا تھا اس لئے کہیں بھی پیشاب پاخانہ کردیتا جس سے کافی پریشانی ہوتی تھی، دماغی پریشانی کی وجہ سے سونے جاگنے کا بھی کوئی خاص معمول نہیں تھا، کبھی کبھی گرمیوں کی رات میں جب سب سورہے ہوتے تھے اٹھ کر چھت پر چلا جاتا، ہم لوگوں کی آنکھ کھلتی تو فوراً جاکر لے آتے، سمجھ اور شعور کا حال یہ تھا کہ ایک روز چھت پر گیا تو ایک بندر آگیا، سب لڑکے بھاگ گئے اور یہ جاکر آرام سے بندر کے پاس بیٹھ گیا، بندر بھی حیران ہوکر دیر تک اسے دیکھتا رہا لیکن اس کو کوئی نقصان نہیں پہونچایا، جب گھر کے بڑے لوگوں کو معلوم ہوا تو اسے لے کر آئے۔

چھ سال کی عمر میں اس نے چلنا تو شروع کردیا تھا لیکن ٹھیک سے چل نہیں پاتا تھا، اس لئے اکثر گرتا رہتا تھا، کبھی زینہ سے گرجاتا، کبھی کھڑے ہوتے ہوئے توازن برقرار نہ رکھ پاتا، کبھی چلتے ہوئے پھسل جاتا، لیکن اللہ کی خصوصی حفاظت اس کے ساتھ رہتی تھی، اس لئے کبھی کوئی غیر معمولی نقصان نہیں ہوا۔ مارچ ۲۰۱۴ء میں اس پر فالج کا اٹیک ہوا، جس سے وہ کئی ماہ تک بالکل صاحب فراش رہا، علاج کے سلسلے میں جو کچھ مجھ سے ممکن ہوسکا میں نے اس سے دریغ نہیں کیا، تقریباً پندرہ دن ہم لوگ اس کو لے کر اعظم گڈھ اور خیرآباد ہاسپٹل میں ایڈمیٹ رہے۔ اللہ کا فضل ہوا کہ وہ پھر چلنے لگا لیکن اب پہلے جیسی چال نہیں تھی، پھر بھی دیوار کے سہارے سے یا کسی کا ہاتھ پکڑ چلتا تھا، گزشتہ سال رمضان کے بعد نہ جانے کیا معاملہ پیش آیا، شاید کہیں پھسل گیا ہو یا اور کوئی صورت پیش آئی ہو، دن بھر روتا رہا، کچھ بولتا تو تھا نہیں اس لئے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا تکلیف ہے اس کو، دن بھر یہی کیفیت رہی، رات میں اس کی ماں نے اس کا پیر سہلانا شروع کیا تو بے تحاشہ چلانے لگا اس سے اندازہ ہوا کہ پیر میں چوٹ لگی ہے، دودوبار اکسرے کرایا لیکن جو ڈاکٹر مریض کے بجائے رپورٹ کا علاج کرتے ہیں ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ مریض کو کیا ہوا ہے، اس لئے کہ رپورٹ نارمل تھی، میں کہتا رہ گیا کہ ڈاکٹر صاحب توجہ کیجئے رپورٹ چاہے جتنی نارمل ہو لیکن مریض تو بالکل نارمل نہیں ہے، علاج رپورٹ کا نہیں مریض کا کیجئے، مختلف دوائیں بدل بدل کردی گئیں لیکن کچھ افاقہ نہیں ہوا، اس لئے کہ تشخیص ہی غلط تھی۔ اسی کیفیت میں کئی ماہ گزر گئے اور کھانا پینا چلنا پھرنا سب ختم ہوگیا، بیچارہ بالکل صاحب فراش ہوکر رہ گیا، خوراک بھی برائے نام رہ گئی، بعد میں ایک ہڈی بیٹھانے والے ماہر شخص کو دکھایا تو اس نے

ہاتھ رکھتے ہی بتادیا کہ ہڈی ٹوٹ گئی ہے، اس نے بیٹھادیا تو درد وتکلیف میں بھی کمی ہوگئی، لیکن اتنے عرصہ تک پڑے رہنے سے مفلوج حصہ بالکل شل ہوگیا۔ ادھر چند ماہ سے غذا کم ہوتے ہوتے بالکل برائے نام رہ گئی، اور اخیر کے دس پندرہ دنوں میں تو صرف سیال غذا ہی پیٹ میں جاتی تھی۔ انتقال والے دن طبیعت اور دنوں کے مقابلے میں نسبتاً بہتر تھی، یہ بجھتے ہوئے چراغ کی آخری لو تھی ؎

بجھنے سے پہلے شمع بھڑکتی ضرور ہے

سنیچر کو مغرب اور عشاء کے درمیان اس کا انتقال ہوا، عصر کی نماز کے لئے گھر نکلا تو وہ بالکل ٹھیک تھا کوئی غیر معمولی بات نہ تھی، مغرب پڑھ کر آیا تو تب بھی سب معمول کے مطابق تھا، اہلیہ نے بتایا کہ کھانا اور دوا کھلا چکی ہوں، اس کا بستر بدلوادیجئے، چنانچہ بستر بدل دیا گیا، اور اس کو صاف ستھرا کرکے لٹادیا گیا، اس کے کچھ ہی دیر کے بعد کیفیت بدلنی شروع ہوئی، پانچ چھ بار اس نے جمائی کی طرح منہ کھولا، شاید یہی مرض الوفات کی ابتداء تھی، ، اخیر زندگی میں اس نے بہت تکلیف اٹھائی تھی، مختلف طرح کے امراض وعوارض میں گھرا رہا، اسی کا صلہ تھا کہ انتہائی سہولت کے ساتھ چند منٹ کے اندر ہی روح پرواز کرگئی۔ **اناللہ وانا الیه راجعون اللهم ادخله فسیح جناته واجعله لوالديه فرطاً وأجراً وذخراً وشافعاً ومشفعاً**

حماد کی جیسی حالت چل رہی تھی یہ واقعہ کوئی غیر متوقع نہیں تھا، لیکن اس کی وفات نے پورے وجود کو ہلادیا، دل ودماغ بہت متاثر ہیں، خصوصاً اہلیہ پر تو بہت زیادہ اثر ہے، گھر کی مصروفیات کا آدھا حصہ عزیز مرحوم پر صرف ہوتا تھا، اب اس کے نہ رہنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسا کوئی کام ہی نہ ہو، پورا گھر خالی ہوگیا ہو، ہر طرف سناٹا سا محسوس ہوتا ہے، گھر میں داخل ہوتے ہی پہلا سوال یہی ہوتا تھا کہ حماد کا کیا حال ہے، اب بھی جب گھر میں داخل ہوتے ہیں پہلے اسی کی جگہ پر نظر پڑتی ہے، اور اسے نہ پاکر دل پر ایک چوٹ سی لگتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اعلیٰ علیین میں جگہ دیں۔ اس کے انتقال کے بعد جنازہ میں لوگوں کی کثرت (جبکہ میں نے کسی کو اطلاع دینے کا اہتمام نہیں کیا تھا، اور جنازہ بھی صبح ساڑھے آٹھ بجے تھا) اور احباب ومتعلقین کا موبائل پر اتنی کثرت سے اس کے لئے دعائے خیر کرنا اور اسی کے طفیل کر ہم لوگوں کے لئے دعا کرنا، یہ سب دیکھ کر مرحوم پر بہت رشک آتا ہے۔ اور اللہ کی ذات سے قوی امید ہے کہ اسی معصوم کی بدولت ہم لوگوں کا بیڑا بھی پار ہوجائے گا۔ ان شاء اللہ

انتقال کے بعد تسلی وتعزیت کے بکثرت فون آئے اور لوگ بھی حاضر ہوئے، میں ان سب کا

شکر گزار ہوں جو اس سخت گھڑی میں کسی طرح بھی میرے لئے سہارا بنے۔ سب سے پہلے استاذی مولانا ضیاء الدین صاحب نے یہ خبر لکھ کر واٹس اپ کے مختلف گروپ میں ڈال دی جس سے تقریباً سبھی متعلقین کو اطلاع ہوگئی۔

ابھی ابھی مولانا ضیاالحق صاحب خیرآبادی (حاجی بابو) کے لخت جگر عزیزم حماد ضیا کا طویل معذروی وعلالت کے بعد انتقال ہوگیا ہے انا للہ وانا الیہ راجعون، مرحوم حماد ضیا، حاجی بابو کی پہلی اولاد تھے جو شروع سے دماغی وجسمانی اعتبار سے معذور اور سترہ سال (یعنی ابتدائے عمر) سے صاحب فراش تھے، مستقل علاج ومعالجہ سے بھی کوئی افاقہ اور صحت میں سدھار نہ ہوسکا، ماں باپ نے اپنے معذور لخت جگر کی تیماری داری صبر واستقامت سے پوری دلداری اور دلسوزی کے ساتھ کر کے ایک مثال قائم کی ہے۔ اللہ رب العزت حماد مرحوم کو اعلی علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ اور ماں باپ کی بے مثال ومسلسل خدمت وتیمارداری کا اجر وثواب دنیا وآخرت دونوں جگہ دے اور حماد مرحوم کو والدین واقارب اور چھوٹے بھائیوں کے حق مین ذخیرہ آخرت بنائے۔ پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے۔ ہم اس غم کی گھڑی میں مولانا ضیاالحق (حاجی بابو) کے ساتھ ہیں، ان کے لئے دست بدعا ہیں۔ ضیاالدین قاسمی ندوی خیرآبادی

☆☆☆☆☆

میرے عزیز دوست مولانا مفتی روح اللہ صاحب قاسمی (مدھوبنی) نے اس موقع ایک موثر تعزیتی مکتوب لکھا، جسے اس مضمون کا اختتامیہ بنا رہا ہوں، اللہ ان کو اور ان تمام لوگوں کو جزائے خیر عطا فرمائے جنھوں نے زبانی یا تحریری کسی طرح بھی تعزیت وتسلی کے کلمات پیش کئے۔

محترم مولانا ضیاالحق (حاجی بابو) صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابھی ابھی "مدرسہ فلاح المسلمین " گروپ سے عزیز القدر جناب مولانا عامر اعظمی کے ذریعہ اطلاع ملی کہ آنجناب کے لخت جگر عزیزم حماد ضیا کا طویل معذروی وعلالت کے بعد انتقال ہوگیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ان للّٰہ ما اخذ ولہ ما اعطی وکل شی عندہ باجل مسمی ۔اللھم ادخلہ فسیح جناتہ واجعلہ لوالدیہ فرطا واجرا وذخرا وشافعا ومشفعا۔ مرحوم حماد ضیا آپ کا پہلا نرینہ پھول تھا۔ آپ کے دو ہیرے موتی کو خیرآباد اسٹیشن پر دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی ہوئی تھیں اور اسی وقت آپ نے بتایا تھا کہ سب سے بڑا لخت جگر پیدائشی طور پر دماغی وجسمانی اعتبار سے معذور اور صاحب فراش ہے اور مستقل علاج ومعالجہ اور اس کی خدمت، کھلانے پلانے کی ذمہ داری آپ اور بچہ کی والدہ بخوشی انجام دے رہے ہیں اور اس کی

وجہ سے کہیں باہر جانا آنا مشکل اور پریشان کن ہوجاتا ہے، بلکہ یہ بھی بتایا تھا اس بچہ کی وجہ آپ نے مستقل طور سے گھر رہنے کا ارادہ فرمالیا ہے۔ یہ سن کر اور دیکھ کر دل سے دعائیں نکلی تھی اور رشک آیا تھا کہ کسی کو ماں باپ ملے تو آپ جیسا ملے جو اپنے بچے کی خدمت کی خاطر مستقبل کا پلان طے کرتے ہیں۔

بچہ اپنی عمر کے سترہویں سال میں داخل ہو چکا تھا، کم مدت نہیں ہوتی ہے یہ، کوئی پلک جھپکتے سترہ سال نہیں گذر جاتے، جب یہ بچہ دنیا میں آیا ہوگا تو ماں باپ کی محبتوں اور عنایتوں کا مرکز بنا ہوگا مگر جب اس کی معذوری کا علم ہوا ہوگا تو فطری طور دل پر چوٹ سی لگی ہوگی، آپ نے خدا کے فیصلہ پر راضی برضا رہنے کا فیصلہ کیا ہوگا، پھر اس جنتی کی خدمت کے لئے دن ورات کو قربان کیا ہوگا۔ گویا رب ذوالجلال کی طرف سے آپ دونوں کے زلات کو دھونے اور درجات کی ترقی کی مفت مشین ہاتھ آ گئی تھی کہ خدمت میں لگے رہئے اور آگے بڑھتے رہئے، دنیا میں بیٹھ کر کون اندازہ لگا سکتا ہے کہ آپ دونوں کہاں سے کہاں پہنچ چکے ہیں، پھر اس فیصلہ خداوندی میں بھی آپ کے لیے رحمت کے کیا کیا سامان ہیں، کون بتا سکتا ہے، رب کی حکمت رب ہی جانے۔ یہ تو صاف نظر آتا ہے کہ رب نے آپ کے سامنے یہ امانت واپس لے کر اسے آپ کے لیے اجرو ذخر اور شافع ومشفع کا مکمل مصداق بنادیا ہے، اور اس بچہ کی مستقبل کی فکر سے آپ کو بے نیاز کر دیا ورنہ رہ رہ کر خیال آتا کہ میرے بعد اس کی خدمت کون کرے گا، یہ امانت واپس لے کر قدرت آپ کو آواز دے رہی ہے: "قد صدقت الرویا ." آپ رب کے امتحان میں کامیاب اترے، اب "نجزی المحسنین " کی باری ہے۔ یقیناً آپ ماں باپ نے اتنی لمبی مدت تک اپنے معذور لخت جگر کی تیمار داری صبر واستقامت سے پوری دلداری اور دلسوزی کے ساتھ کر کے ایک مثال قائم کی ہے۔ عزیزم حماد سلمہ، اللہ کی امانت تھا جسے اللہ رب العزت نے پاک وصاف واپس لے لیا، یہ موقعہ آپ کے لئے رونے کا نہیں، (گو کہ انسانی فطرت کی وجہ سے رنج وغم کا ہونا ایک لازمی امر ہے) خوش ہونے کا ہے کہ آپ کی ایک امانت دنیا کی معذوریوں سے آزاد ہو کر جنت میں کھیلنے کودنے اور اپنے والدین کے لیے سفارش کرنے پہنچ چکی ہے، اللہ رب العزت حماد مرحوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ اور ماں باپ کی بے مثال ومسلسل خدمت وتیمار داری کا اجر وثواب دنیا وآخرت دونوں جگہ دے اور حماد مرحوم کو والدین واقارب اور چھوٹے بھائیوں کے حق میں ذخیرہ آخرت بنائے، اوران برکات وخیرات کا سلسلہ باقی رہے جو اس معصوم کی خدمت اور اس کے وجود کی بدولت تھا، بلکہ باری تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے میں اس اضافہ فرمائیں۔ آمین یارب العالمین۔ والسلام

شریک غم محمد روح اللہ